Marxism-Kia-He
www.KitaboSunnat.com

مارکسزم کیا ہے؟

دوسرا اڈیشن

از

ایمیل برنس

مترجمہ

محمد کلیم اللہ

قومی دارالاشاعت۔ وائی ایم سی اے بلڈنگ مال روڈ لاہور

قیمت بارہ آنے
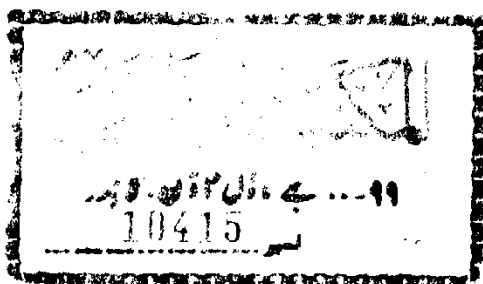
دنیا کا سائنٹفک نقطہ نظر

(۱)

مارکسزم ایک معاشرتی سائنس ہے جو ہماری اس دنیا اور اس میں رہنے والے انسانوں اور ان کی سوسائٹی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کا نام کارل مارکس کے نام پر پڑا۔ یہ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے فریڈرک انگلش (۱۸۲۰ء-۱۸۹۵ء) کے ساتھ کام کر کے انیسویں صدی کے آخر میں یہ نظریہ معلوم کیا۔

انہوں نے اپنی ساری کوشش اس پر صرف کر دی کہ ہمارا موجودہ سماج اس حالت میں کیونکر پہنچ گیا۔ اس میں تبدیلی کیوں ہوتی رہتی ہے اور آئندہ اس میں کس قسم کی تبدیلی کا امکان ہے۔ انہوں نے اپنے گہرے مطالعہ کے بعد یہ معلوم کیا کہ جس طرح بیرونی دنیا میں واقعات اتفاقی طور پر نہیں ہوتے اسی طرح سماج میں کوئی تبدیلی اتفاقی نہیں ہوتی بلکہ اس میں خاص اصول کارفرما رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات کی بنیاد مذہبی تعلیمات یا فلسفی بزرگوں کے اصولوں پر نہیں رکھی اور نہ خیالی پلاؤ پکاتے رہے بلکہ انسانی تاریخ کا سائنٹفک مطالعہ کر کے انہوں نے وہ اصول دریافت کئے جو سماج کی تبدیلی میں کام کرتے ہیں اور جو اصول انسانی تاریخ کے تجربہ سے صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔

مارکس نے جو اصول معلوم کئے تھے وہ انہوں نے اپنی حقیقی دنیا پر استعمال کئے۔ وہ اس زمانہ میں انگلستان میں رہتے تھے جہاں سرمایہ داری نظام کا دور

دور تھا۔ چنانچہ انہوں نے سرمایہ داری نظام معیشت پر سب سے زیادہ کام
کیا۔ اور اسی کے لئے وہ مشہور ہیں۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا
کہ ان کے معاشی نظریوں کو تاریخی اور معاشرتی نظریوں سے الگ نہیں
کیا جا سکتا۔ مثلاً منافع یا اجرتوں کے مسئلہ پر اگر ہم غور کریں تو اس پر صرف ایک حد
تک معاشی نقطہ نظر سے غور کر سکتے ہیں۔ لیکن جو شخص ہوا میں نہیں رہتا ہے بلکہ زندگی
کی حقیقتوں سے دوچار ہونا چاہتا ہے وہ اس مسئلہ پر صحیح نتیجہ پر اسی وقت پہنچ
سکتا ہے جب وہ سرمایہ دار اور مزدور اور ان کے تعلقات پر غور کرے اور جب وہ اس پر غور کرتا ہے
تو اسے پھر اس تاریخی دور کا بھی مطالعہ کرنا ہوتا ہے جس میں یہ مزدور اور سرمایہ دار پیدا ہوتے ہیں۔
سوسائٹی کے ارتقاء کے متعلق جب ہم سائنٹفک نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں
تو ہم اپنے تجربہ، تاریخی حقائق اور اپنے اطراف کی چلتی پھرتی دنیا سے کام لیتے ہیں اسی
طرح جیسے دوسرے سائنٹفک علوم مثلاً کیمیا، طب وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے
مارکسزم کوئی مکمل نظریہ نہیں ہے اسی طرح جیسے کیمیا، طبیعات وغیرہ میں کوئی
نظریہ مکمل نہیں ہے۔ روزانہ نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ نئی تحقیقاتیں سامنے ہوتی ہیں۔ ان
نظریوں میں ترقی ہوتی ہے۔ کیمیا اور طبیعیات طبعی سائنس ہیں۔ حیوانیات، طب وغیرہ
حیاتی سائنس ہیں۔ اسی طرح مارکسزم معاشرتی سائنس ہے۔ جیسے جیسے حالات
بدلتے ہیں نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں تو اس میں بھی ترقی ہوتی ہے اس سائنس
کی مدد سے ہم نئے حالات کا تجزیہ کرتے ہیں اور نئی حقیقتیں معلوم کرتے ہیں۔ مثلاً
مارکس کے انتقال کے بعد سرمایہ داری نظام ایک نئے دور میں داخل ہوا جسے
سرمایہ داری سامراجی دور کہا جاتا ہے۔ اس دور کا تجزیہ لینن نے کیا اور
ان کے بعد اسٹالن نے اس نظریہ کو اور ترقی دی اور اس کی مدد سے
سوویٹ یونین میں اشتراکی نظام قائم کیا گیا۔

سوسائٹی کا سائنٹیفک طریقہ سے مطالعہ کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے علم اور تجربہ سے سوسائٹی کو بدلنے کا بھی کام لے سکتے ہیں۔ جیسے ایک ماہر طبیعات یا ماہر طب اپنے علم سے ہماری بیرونی دنیا کو بدلنے کا کام لیتا ہے جب ہم تمام سائنٹیفک علوم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہماری سوسائٹی میں جو تبدیلی ہوتی رہتی ہے وہ چند خاص اصولوں اور قانون کی پابند ہوتی ہے اور اسی طرح ہماری ساری کائنات بھی متحرک ہے اور وہ بھی خاص قوانین کی پابند ہوتی ہے اور یہ دونوں قانون ایک ہی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ جو قوانین ہمارے اطراف کی ساری کائنات اور ہماری سوسائٹی دونوں پر یکساں طور پر صادق آتے ہیں، اسے ہم مارکسی فلسفہ یا کائنات کا مارکسی نقطہ نظر کہتے ہیں۔

ذیل میں ہم مارکسی نقطہ نظر سے چند ایسی باتوں پر روشنی ڈالیں گے جو ہماری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ چیز پہلے ہی صاف کر دینی ضروری ہے کہ مارکسی نقطہ نظر رکھنے والے اندھے عقیدے کے خلاف ہیں۔ وہ کسی چیز کو ماننے کے لئے اس وقت کہتے ہیں جبکہ وہ ہمارے تجربہ سے سچ ثابت ہو چکی ہو۔ ہم کسی چیز کو اخلاقی اصولوں یا مابعد الطبیعاتی اصولوں کے دباؤ سے نہیں منوانا چاہتے۔

جب ہم اس نقطہ نظر کی وجہ سے حقیقت اور سچائی تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ اس کی مدد سے ہم انسان کو موجودہ ذہنی جسمانی روحانی معاشی اور معاشرتی تباہ حالی سے نجات دلوائیں اور اسے ترقی کے راستے پر لگائیں تاکہ ہم اعلیٰ تر سوسائٹی کے دور میں آ جائیں۔

معاشرتی ترقی کے قوانین

(۲)

ہمارے یہاں جتنی تاریخی کتابیں ملتی ہیں ان میں عام طور پر سوائے دو قوموں یا دو بادشاہوں کی آپس کی لڑائی یا جنرلوں اور افسروں کی بہادری کے قصوں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عام طور پر ان لڑائیوں اور دوسرے تاریخی واقعات کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ کی دولت کی ہوس نے اسے ملک گیری پر اکسایا یا اس کے اعلیٰ اخلاق یا بداخلاقی نے اسے ایک خاص پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کیا یا یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ یا سیاست داں نے فلاں کام اپنی قوم کی عزت اور نام رکھنے کے لئے کیا۔ یا فلاں پالیسی اس لئے اختیار کی کہ مذہبی جذبات نے اسے اس کے لئے مجبور کیا۔

مارکسزم تاریخ کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کرتی۔

پہلے تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ تاریخ کی سائنس کا یہ فرض ہے کہ وہ جس دور کا مطالعہ کر رہی ہے اس دور کے عام آدمیوں کو پیش نظر رکھے کسی ایک شخص کی سرگرمیوں کے پیچھے قوم کی جو تحریک ہوتی ہے اس پر گہری نظر ڈالے مثلاً انگلستان کی تاریخ میں کرامویل کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ اس نے ایک خاص کام کیا بلکہ اس نے برطانوی عوام کے ایک طبقہ کی ایک تحریک میں بہت اہم حصہ لیا۔ یہ تحریک بڑھتے ہوئے درمیانی طبقہ کی تحریک تھی جو پرانے جاگیرداری نظام کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ اس نے اور اس تحریک نے

جاگیرداری نظام کی بندشیں توڑ ڈالیں۔ اور سرمایہ داری نظام کی ترقی کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ اس نے کتنی لڑائیاں لڑیں اس میں کتنے آدمی مرے یا اس کے مذہبی خیالات کیا تھے یا اس نے کس قسم کی کیا سازشیں کیں بلکہ اس کو اہمیت حاصل ہے کہ کرامویل جس تحریک کا رہبر تھا اس نے انگلستان کی معاشی زندگی پر کیا اثر ڈالا۔ پیداوار اور تقسیم پیداوار کے نظام پر اس کا کیا اثر پڑا۔ انگلستان کے اس دور میں جاگیرداری نظام کے خلاف اتنی بڑی تحریک کیسے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ تبدیلیاں اور ان کے اسباب اصل میں اہمیت رکھتے ہیں یہ اصل میں تاریخ کی سائنس کی بنیاد ہیں۔ اس قسم کے مطالعہ اور دوسرے ادوار اور ان میں بسنے والے انسانوں کے اسی طرح کے مطالعہ سے ہم وہ قوانین دریافت کرتے ہیں جن کی پابندی یہ سوسائٹی کرتی ہے۔ یہ قوانین بھی اسی طرح حقیقی ہوتے ہیں جس طرح کیمیا یا طبیعات یا اور کسی سائنس سے۔ جب ہم یہ قانون معلوم کر لیتے ہیں تو ہم انہیں اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں جس طرح کیمیا یا طب یا دوسری سائنسوں کے کرتے ہیں۔

ہم صرف موجودہ حالات کا تجزیہ کر کے یہ بتلا سکتے ہیں کہ کل کیا ہوگا بلکہ ہم ایسے طریقے بھی اختیار کر سکتے ہیں جس سے ایسی باتیں نہ ہونے پائیں جو سوسائٹی کے مفاد کے خلاف ہوں۔ مثلاً آج ہم جانتے ہیں کہ دنیا اس وقت آزادی پسند جمہوری گروہ اور سامراجی گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ اگر جمہوری گروہ جس کا رہبر سوویٹ روس ہے اور جس کے ساتھ نہ صرف مشرقی و وسطی یورپ کی تقریباً ساری قومیں بلکہ ساری محکوم قومیں بھی ہیں بروقت مناسب اقدام نہ کرے تو ساری دنیا پھر ایک عالمگیر جنگ میں مبتلا ہو جائے گی۔

اس طرح مارکسزم میں تاریخ کا مطالعہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ تمام قوانین معلوم کئے جاتے ہیں جن کی پابند انسانی تاریخ آج تک رہی ہے اور اس کے لئے وہ

چند افراد کے شخصی کارناموں کا مطالعہ نہیں کرتی بلکہ ہر دور کے عوام اور ان کی تحریکوں کا مطالعہ کرتی ہے اور جب ہم عوام پر نظر ڈالتے ہیں (سوائے بالکل ابتدائی زمانہ کے) تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں وہ مختلف طبقوں میں مثلاً امیر و غریب، آقا و غلام، جاگیردار و کاشتکار، وغیرہ میں بٹے رہے ہیں اور ان میں باہمی کشمکش رہی ہے۔

یہ طبقے کیا ہیں؟ ان کو سادہ ترین الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک طبقہ عوام کا وہ ایک حصہ ہے جو ایک طرح سے اپنی روزی کماتا ہے۔ مثلاً جاگیرداری نظام میں بادشاہ اور تمام جاگیردار ایک ہی طرح سے روزی کماتے ہیں یعنی ان کی زمینوں پہ کاشتکار جو کچھ پیدا کرتے وہ اس کا ایک حصہ انہیں دیدیتے۔ یہ جاگیردار ایک ہی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا طبقہ واری مفاد ایک ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے اسامیوں یا مزارعوں کو جتنا اوٹے سکیں لوٹ لیں وہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے قبضہ میں زیادہ سے زیادہ زمین آجائے اور اس پہ اور آدمی لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع کمائیں دوسری طرف ان کے مقابلہ میں اسامی یا مزارع ایک الگ طبقہ ہیں جن کے مفادات جاگیرداروں سے الگ ہیں۔ ان کا مفاد اس میں ہے کہ جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں اس کا زائد سے زائد حصہ اپنے خاندان کے لئے رکھیں بجائے اس کے کہ ان کی محنت کا ثمر جاگیردار کے ہاتھ پڑ جائے۔ وہ جاگیرداروں کے ظلم و زیادتیوں سے پریشان رہتے ہیں اور اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جس جس ملک میں جاگیرداری نظام رہا ہے اور اب بھی باقی ہے۔ وہاں جاگیردار اور کسانوں کی کشمکش کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی ہے۔ کبھی تو یہ انفرادی طور پر ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی بغاوت کی شکل میں۔

جاگیرداری نظام میں خاص طور پر جب یہ ساری دنیا پر حاوی تھا تو یورپ میں

کاشتکاروں کو نہ صرف اپنے جاگیردار یا آقا کی زمین پر کاشت کرنا ہوتی تھی۔ اپنی پیداوار کا کافی حصہ دینا ہوتا تھا بلکہ گھریلو صنعتوں کا بھی کافی حصہ آقا کی نظر ہو جاتا تھا۔ اس دور میں ان کاشتکاروں کے علاوہ اور دوسرے صنعت پیشہ بھی ہوتے تھے جو ہتھیار اور ضروریات کی دوسری چیزیں بناتے تھے۔ ان کے علاوہ تاجر ہوتے تھے جو ایک جگہ کی فاضل پیداوار دوسری جگہ لیجا کر بیچتے تھے۔ تجارت بڑھنے لگی تو یہ پیداوار نا کافی ثابت ہونے لگی۔ اور تاجروں نے خود اپنے چھوٹے کارخانے قائم کرنا شروع کئے۔ جہاں وہ آزاد کسانوں یا بھاگے ہوئے کسانوں کو رکھتے اور ان سے اجرت پر صنعتی چیزیں بنواتے بیچتی آزاد کاشتکار شہروں میں پہنچ جاتے اور وہاں صنعتی پیشہ اختیار کر کے اپنے طور پر کپڑے اور دھات کے برتن وغیرہ بنانے لگتے اور پھر تاجروں کے ہاتھ بیچتے اور اس طرح آہستہ آہستہ کئی سو سال میں اسی جاگیرداری نظام میں معاشی زندگی میں ایسا تغیر آنے لگا کہ اب زرعی اور صنعتی چیزیں صرف استعمال کے لئے نہیں بنائی جانے لگیں بلکہ فروخت کے لئے بھی بننے لگیں۔ صناعی کا پیشہ ترقی کرنے لگا اور نہ صرف صناع خود اپنے طور پر چیزیں بنانے لگے بلکہ بعض مالدار صناع اپنے یہاں دوسرے مزدور لگا کر بھی چیزیں تیار کروانے لگے اور اس طرح سولھویں صدی اور اس کے بعد کے یورپ میں آہستہ آہستہ صنعتی سرمایہ دار طبقہ پیدا ہونے لگا اور اسی کے ساتھ صنعتی مزدور بھی پیدا ہونے لگا۔ دیہاتی علاقوں میں بھی جاگیرداری کا شکنجہ کمزور ہونے لگا۔ پرانا طریقہ ختم ہونے لگا اور اب زمیندار یا جاگیردار بھی اجرت پر اپنی زمینوں پر کاشت کروانے لگے اور اس طرح سے ایک طرف نئے قسم کا سرمایہ دار کاشتکار پیدا ہونے لگا اور دوسری طرف زرعی مزدور۔ شہروں اور دیہاتوں میں سرمایہ دار طبقہ کے پیدا ہونے اور بڑھنے کیسا تھ

ہی پرانے جاگیردار طبقہ کی حکمرانی ختم نہیں ہو سکی بلکہ اس کے برعکس بادشاہوں پرانے جاگیرداروں اور چرچ نے اس کی کوشش کی کہ اس نئی سرمایہ داری کو جہاں تک ہو سکے اپنے مفاد کے لئے زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ کاشتکار جو زمینداروں کی غلامی سے نکل کر شہر آ گئے تھے وہ نہ صرف زمینداروں کے ظلم سے محفوظ ہو گئے تھے بلکہ اب انہیں اپنے زمینداروں کو کسی قسم کا نذرانہ بھی نہیں دینا ہوتا تھا لیکن جب شہروں میں ان کا کاروبار چل نکلا اور ان کی دولت کسی قدر مالدار ہو گئی تو انہیں احساس ہونے لگا کہ ابھی حقیقی معنوں میں آزادی نہیں ملی ہے۔ بادشاہ اور اس کے امیر اور جاگیردار ان پر طرح طرح کے ٹیکس لگانے اور ان کی تجارت میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔

بادشاہ اور جاگیردار ان لوگوں پر اپنا اقتدار اس لئے استعمال کر سکتے تھے کہ ان کے ہاتھ میں حکومت کی ساری باگ ڈور تھی۔ فوج جیل خانے اور عدالتیں سب ان کے اپنے قبضہ میں تھیں۔ وہی قانون بناتے اور وہی اس پر عمل کرتے اس لئے سرمایہ دار طبقہ کے پیدا ہونے اور بڑھنے سے ایک نئی طبقہ داری کشمکش پیدا ہو گئی۔ سرمایہ دار طبقہ نے بادشاہ اور جاگیردار کے خلاف جدوجہد شروع کر دی جو کئی صدیوں تک جاری رہی۔ بعض پس ماندہ ممالک میں یہ آج تک جاری ہے۔ اور بعض ممالک مثلاً فرانس اور انگلستان وغیرہ میں عرصہ ہوا کہ یہ ختم ہو چکی ہے۔

یہ سب کچھ کس طرح ہوا؟

یہ اس طرح ہوا کہ سرمایہ دار طبقہ نے مسلح بغاوت کی، انقلاب آیا اور جاگیردار طبقہ سے اقتدار چھین لیا۔ انگلستان میں یہ دور سب سے پہلے آیا۔ سرمایہ دار طبقہ نے یہاں ٹیکس اور پابندیوں کے خلاف جو جدوجہد شروع کی تھی وہ اپنے

شباب پر، وسط سترھویں صدی میں پہنچی مختلف پابندیوں سے سرمایہ دارانہ طریق پیداوار میں بڑی رکاوٹیں پیش آرہی تھیں۔ سرمایہ داروں نے بڑی کوشش کی کہ پُرامن طریقہ پر یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں انہوں نے بیسیوں معروضے اور درخواستیں بادشاہ کے پاس پیش کیں ٹیکس ادا کرنے سے انکار کیا۔ لیکن کچھ نہ ہو سکا اور حکومت کے سامنے ایک نہ چل سکی۔ اس لئے سرمایہ داروں کو قوت کا جواب قوت سے دینا پڑا۔ انہوں نے لوگوں کو بادشاہ کے خلاف منظم کرنا شروع کیا۔ ٹیکس اور تجارتی رکاوٹوں کے خلاف عوام کو متحرک کرنا شروع کیا اور جاگیرداری شکنجہ توڑنے کی کوشش کرنے والوں کو عدالتوں نے جو سزائیں دیں تھیں ان کے خلاف عوام میں غم و غصہ پیدا کیا گیا۔ یعنی دوسرے الفاظ میں سرمایہ داروں نے ایک مسلح انقلاب منظم کیا تاکہ لوگ بادشاہ اور پرانے قسم کے ظالمانہ نظام کے خلاف مسلح ہو کر اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کے بعد ہی سرمایہ دار طبقہ جاگیرداری نظام پر کاری ضرب لگا سکا تجارتی رکاوٹیں دور کر سکا اور اقتدار اپنے ہاتھ میں لے سکا۔

یہ صحیح ہے کہ انگلستان کے اس سرمایہ داری انقلاب کو تاریخ کی کتابوں میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے گویا جنگ اصل میں چارلس اول اور کرامویل کے درمیان تھی۔ چارلس بڑا جابر تھا اور رومن کیتھولک فرقہ کی مدد سے اپنی حکمرانی قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں کرامویل بہت شریف، کیتھولک مذہب کا دشمن اور انگلستان کی آزادی کا دلدادہ تھا۔ اس جدوجہد کو بالکل ایک مذہبی اور اخلاقی لڑائی بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مارکسزم حالات و واقعات کی گہرائی تک پہنچتی ہے نہ وہ افراد اور نعروں سے آگے جا کر حقیقی بنیادوں تک پہنچتی ہے وہ اس جدوجہد کی حقیقی رخ معلوم کرتی ہے اور پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ کشمکش اصل میں بڑھتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ اور زوال پذیر ظالم جاگیردار طبقہ کی کشمکش تھی۔ اور حقیقت میں

یہاں سے حالات بالکل نیا پلٹا کھاتے ہیں۔ اس انقلاب کے بعد ۱۶۸۹ء میں اس کے دوسرے دور میں سرمایہ دار طبقہ کو اسٹیٹ کے معاملات میں بہت بڑا حصہ مل جاتا ہے۔

انگلستان میں چونکہ ابتدائی دور میں انقلاب آیا۔ اس لئے سرمایہ دار طبقہ کی فتح فیصلہ کن اور مکمل نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرانے جاگیرداری سماج کو کاری ضرب تو لگی لیکن جاگیردار طبقہ بڑی حد تک باقی رہا اور وہ سرمایہ دار زمیندار بن گیا اور آئندہ دو صدیوں میں سرمایہ دار طبقہ میں شامل ہو گیا اور حکومت کے کل پرزوں پر اس کا کافی اقتدار باقی رہا۔

فرانس میں یہ ساری تبدیلیاں بہت بعد میں آئیں۔ سرمایہ دار طبقہ دیر میں پیدا ہوا اور اس نے دیر میں ترقی کی چنانچہ وہاں یہ انقلاب کہیں ۱۷۸۹ء میں آیا اور اس کا اثر بھی زیادہ دور رس ہوا۔ مارکسی اس انقلاب اور ان کے دور رس نتائج کا سبب یہ نہیں سمجھتے کہ روسو اور دوسرے ادیبوں نے کتابیں لکھیں اور انسانی حقوق کا پرچار کیا یا انقلابی نعرے "آزادی مساوات اور حریت" اس کا اصل سبب تھے بلکہ جس طرح انگلستان کے انقلاب کا سبب اور کے اثرات سمجھنے کے لئے اس زمانہ کی طبقاتی کشمکش کا مطالعہ کرنا ضروری ہے اسی طرح فرانس کے انقلاب کو شخصیتوں یا انقلابی نعروں سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اس کے پیچھے جو معاشی اور معاشرتی قوتیں کام کرتی ہیں ان کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

مارکس نے اس دور کے متعلق لکھا ہے "جس طرح ہم کسی شخص کے متعلق اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس کا اپنے متعلق کیا خیال ہے۔ اسی طرح اس قسم کے انقلاب کا اندازہ ہم خارجی مطالعہ ہی سے کر سکتے ہیں۔ کسی انقلاب کو سمجھنے کے

لئے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ کون کون سے طبقات اقتدار کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور کس طرح نیا ابھرتا ہوا طبقہ پرانے مرتے ہوئے طبقہ سے اقتدار چھین رہا ہے ہمیں حقیقی خارجی واقعات پر نظر ڈالنی چاہئے۔ ان نعروں یا مقاصد کو اہمیت نہیں دینی چاہئے جو ان انقلابوں کے لیڈر جان بوجھ کر یا ان جانے طریقہ پر ظاہر کریں۔

مارکسی عالم تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت طبقہ واری کشمکش کا مطالعہ کرتا ہے اس لئے کہ اسی سے انسانی سماج کا ارتقا ہو رہا ہے۔ لیکن طبقہ واری کشمکش کے ساتھ سائنس کی بھی ترقی ہو رہی ہے۔ انسان کا اقتدار نیچر پر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کی صلاحیتیں بڑھتی جاتی ہیں اور وہ انسانی ضروریات کی چیزیں زیادہ سے زیادہ بنا سکتا ہے۔ قوت سے چلنے والی مشین کی ایجاد نے پیداوار کے طریقوں میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ اب مشین ایک دن میں اتنا پیدا کر سکتی تھی جتنا ایک صناع ایک ہفتہ میں تیار کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعمیر کے ساتھ تخریب کا بھی پہلو پیدا ہوا۔ صناع جن کے پاس کپڑا بننے اور کاتنے کے اپنے اوزار ہوتے تھے ختم ہونے لگے اور ان کی جگہ سماج دو طبقوں میں بٹنے لگا۔ ایک طبقہ سرمایہ داروں کا جس کے قبضہ میں مشینیں ہوتیں اور وہ ان پر کام نہ کرتا۔ دوسرے صنعتی مزدوروں کا طبقہ جس کی مشینوں پر کوئی ملکیت نہ ہوتی اور وہ سرمایہ دار کے لئے اجرت پر کام کرتا۔

یہ تبدیلی بالکل غیر ارادی طور پر آئی۔ اس کے لئے کسی نے کوئی خاکہ نہیں بنایا۔ چند لوگوں نے اپنے علم کی بنا پر مشین ایجاد کی اور نفع حاصل کرنے کیلئے اس مشین کو پیداوار کی ذرائع یا صنعتوں میں استعمال کیا گیا لیکن کسی نے اس پر غور نہیں کیا کہ طریقہ پیداوار کی اس تبدیلی سے سماجی زندگی پر کیا اثر پڑے گا

مارکس کا خیال تھا کہ [illegible] انسانی سوسائٹی کی تمام تبدیلیوں پر صادق آتا ہے

انسانی علم میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس نئے علم سے وہ طریقہ پیداوار میں کام لیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت بڑی معاشرتی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ ان معاشرتی تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نئی قسم کی طبقہ داری کشمکش پیدا ہوتی ہے اور بظاہر یہ کشمکش عقیدوں اور اداروں کی کشمکش معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً مذہبی کشمکش یا پارلیمنٹ یا انصاف کے لئے کشمکش لیکن اصل میں ہوتا یہ ہے کہ طریقہ پیداوار کے بدلنے سے نئے طبقے پیدا ہوتے۔ نئی طبقہ داری کشمکش بڑھتی ہے اور یہ طبقہ پرانے نظام کے تمام مذہبی اور سماجی اداروں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کی راہ میں حائل ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے یہ لڑائی مذہبی اصولوں اور سماجی اداروں پر ہوتی ہے

یہ عقیدے اور ادارے کس طرح پیدا ہوتے ہیں انہیں کون وجود میں لاتا ہے؟
مارکس نے بتلایا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں عقیدے اور ادارے انسان کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کے لئے سب سے اہم چیز ذرائع پیداوار ہے جس کی مدد سے اسے غذا، کپڑا اور مکان میسر آسکے۔ ہر تاریخی دور میں خواہ قبیلہ بندی کا دور ہو، عہد غلامی ہو یا جاگیرداری یا موجودہ سرمایہ داری سماج ہو ہر دور میں انسانوں کے باہمی رشتہ کا انحصار ذرائع پیداوار پر ہوتا ہے۔ ادارے یا عقیدے پہلے سے کبھی نہیں گھڑے گئے بلکہ ہمیشہ ہر گروہ کی ضروریات کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مختلف سماجی ادارے، سماجی قانون اور اخلاقی قدریں اور دوسرے عقائد سب ان سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب طریقہ پیداوار کی پابند ہوتی ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب طریقہ پیداوار بدلتا ہے تو تمام مذہبی اور سماجی اقدار اور قانون بھی بدل جاتے ہیں۔ جو چیز ایک زمانہ میں اخلاقی نظر سے بری سمجھی جاتی ہے وہ دوسرے زمانہ میں اچھی ہو جاتی ہے اور جو اچھی ہے وہ بعض وقت بری ہو جاتی ہے

مثلاً عہد جاگیرداری میں سود خواری ایک بہت بُری چیز سمجھی جاتی تھی اور عہد سرمایہ داری کی ساری بنیاد اسی پر ہے۔ اسی طرح جب طریقہ پیداوار بدلتا ہے۔ تو ادارے بدلتے ہیں اور اس لئے خیالات اور عقیدوں کی ٹکر آجاتی ہے۔ پرانے نظام کے حامی پرانے عقیدوں سے چپکے رہنا چاہتے ہیں اور نئے نظام کے حامی نئے عقیدوں کا پرچار کرنا چاہتے ہیں۔

سرمایہ داری کی ترقی سے نئے عقائد اور نئے ادارے پیدا ہوئے اور ان میں اور جاگیرداری نظام کے پرانے عقائد میں ٹکر ہونے لگی۔ نئے سرمایہ داری نظام نے مطالبہ کیا کہ "جب تک حکومت میں نمائندگی نہ دی جائے اس پر ٹیکس نہ لگایا جائے"۔ "آزادانہ تجارت کرنے کا حق دیا جائے"۔ اس کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی نعرہ بلند کیا جانے لگا۔ انفرادی آزادی پر زور دیا جانے لگا۔ یہ کہا جانے لگا کہ مذہب شخصی مسئلہ ہے اس کا اقتدار کم ہونا چاہیئے۔ یہ جنگ جو بظاہر مذہبی آزادی اور چند حقوق کی جنگ معلوم ہوتی ہے اصل میں بڑھتے ہوئے سرمایہ داری نظام اور مرتے ہوئے جاگیرداری سماج کی جنگ تھی۔ عقائد کی جنگ تو ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ مارکسی لوگ سوسائٹی کی تنظیم کے لئے ہوائی اصول نہیں پیش کیا کرتے اور نہ ہوائی قلعے بناتے ہیں۔ مارکسی یہ جانتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی کے مختلف ادواروں میں جو نظریے، جو اصول اور جو عقیدے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ اس زمانہ اور اس وقت کی سوسائٹی کا عکس ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کا جو نظام ہوتا ہے اسی کے مطابق عقیدے اور اصول بنتے ہیں۔ اس لئے ہر عقیدہ اور ہر اصول ہر زمانے کیلئے موزوں نہیں ہو سکتا اور نہ ہر زمانے پر صادق آسکتا ہے۔ مثلاً "انسانی مساوات" کے تصور کو لے لیجئے۔ یہ بہت پیارا اور عالمگیر تصور ہے لیکن

دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر زمانہ میں اس کے معنی مختلف رہے ہیں۔ ابتدائی یونانی معاشرت میں جب کہ یونان نہایت ترقی یافتہ تصور کیا جاتا تھا، انسانی مساوات اور مساوی حقوق کے اصول کا اطلاق غلاموں پر نہیں کیا جاتا تھا۔ انقلاب فرانس کا نعرہ تھا "آزادی، مساوات اور اخوت" لیکن یہاں آزادی کے معنی تھے بڑھتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کے لئے تجارت کی آزادی، مساوات کے معنی تھے سرمایہ دار طبقہ کی جاگیردار طبقہ سے مساوات اور اخوت کے معنی تھے سرمایہ داروں کی ایک دوسرے سے اخوت تاکہ اس کی بنا پر جاگیرداری نظام کے ظلم اور بندشوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ اصول فرانسیسی مقبوضات کیلئے یا خود وہاں کے غریب طبقہ کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ آج بھی برطانیہ آزادی اور جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار بنتا ہے لیکن جب ہندوستان کے لوگوں کا مسئلہ آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لفظوں کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

ان چیزوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہر زمانہ میں جو تصورات جو "عقائد" اور جو "اصول" سوسائٹی میں رائج ہوتے ہیں اور جن کا تعلق سوسائٹی کی تنظیم سے ہوتا ہے وہ صرف اس "خاص طبقہ" کے ہوتے ہیں جو اس سوسائٹی میں با اقتدار ہوتا ہے۔ یہ طبقہ یہ سب چیزیں دوسرے طبقوں پر مسلط کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے پروپیگنڈہ کے تمام ذرائع اور تعلیمی ادارے استعمال کرتا ہے اور اس کے خلاف عقائد پھیلانے کو عدالتوں اور پولیس کے ذریعہ روکتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ طبقہ جو حکمران ہوتا ہے یا جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ میں جو عقیدہ یا اصول تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ اگرچہ صحیح نہیں ہے لیکن سب لوگوں کو مجبور کیا جائے گا کہ انہیں مانیں یا کم از کم ان کی مخالفت نہ کریں۔ یہ تصورات حقیقی زندگی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ایک جاگیردار یا بڑے سرمایہ دار کو جو اقتدار، قوت اور دولت حاصل ہوتی ہے اس سے "بڑے آدمی" کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام لوگوں سے بڑے ہیں۔ ایک دفعہ یہ تصور پیدا ہو جاتا ہے تو پھر حکمران طبقہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ یہ باقی رہے اور ہر شخص اس تصور کو قبول کرنے اور ماننے لگے۔ اس لئے کہ اگر لوگوں کا اس تصور پر عقیدہ نہیں رہے گا تو وہ اس کو مانیں گے بھی نہیں۔ اگر جاگیرداری نظام میں عام انسانوں کے دل سے یہ خیال نکل جائے کہ بادشاہ خدا کا جانشین ہوتا ہے اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کا حکم مانے تو اس بادشاہ کا تختہ الٹ دیں گے اور اس نظام کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ہر زمانہ ہر ملک اور ہر سوسائٹی میں حکمران طبقہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہے کہ ایسے "خطرناک" خیالات نہ پھیلنے پائیں جن سے اس کی حکمرانی پر ضرب لگے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خیالات کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور اصل چیز تو ذرائع پیداوار میں مادی تبدیلی ہے تو پھر یہ خطرناک خیالات پیدا ہی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لوگ نئے قسم کے ذرائع پیداوار کا تصور ہی کیسے کر سکتے ہیں قبل اس کے کہ وہ وجود میں نہ آجائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ ایسے "خطرناک خیالات" اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک کہ نئے ذرائع پیداوار کی ضرورت نہ پیدا ہو جائے۔ پیداواری نظام کی تبدیلی کی ضرورت نہ پیدا ہو جائے۔ یہ خیالات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ پرانے حالات اور نئی پیداواری قوتوں میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے مثلاً یورپ کے جاگیرداری نظام کے آخری دور کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اجرت پر کام لینے کا رواج کافی بڑھ چکا تھا۔ چیزیں بنانا، جمع کرنے اور تجارت کے لئے بنائی جانے لگی تھیں۔ دوسری طرف جاگیرداری نظام

کی وجہ سے آزاد تجارت میں بڑی رکاوٹیں تھیں۔ اس کی وجہ سے سرمایہ دار اور جاگیرداری نظام میں ٹکر آنے لگی اور اس کا مطالبہ ظرف ہونے لگا کہ پابندیاں ختم ہوں۔ اور ٹیکس وغیرہ مقرر کرنے میں ٹیکس دینے والوں کی بھی آواز ہونی چاہئے ابھی سرمایہ دار سوسائٹی قائم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن سرمایہ دار سوسائٹی کیلئے حالات پیدا ہو چکے تھے اور ان حالات کی وجہ سے سرمایہ داری خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔

اشتراکی خیالات کا بھی یہی حال ہے۔ سائنٹفک اشتراکی خیالات اسی وقت پیدا ہو سکے اور پھیل سکے جبکہ اشتراکی نظام کے قائم ہونے کیلئے حالات پیدا ہوئے۔ جبکہ بڑے پیمانہ پر پیداوار نظام ہونے لگی اور مسلسل معاشی بحران آنے لگے جس سے یہ ثابت ہونے لگا کہ سرمایہ دارانہ نظام اب معاشرتی ترقی کے راستہ میں حائل ہونے لگا ہے

یہ صحیح ہے کہ خیالات اور عقائد مادی حالات سے پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ انسانوں کے عمل اور حالات کی رفتار پر بھی لازمی طور سے اثر ڈالتے ہیں۔ وہ خیالات جو پرانے طریقہ پیداوار پر مبنی ہوتے ہیں وہ رجعت پسندانہ ہوتے ہیں وہ عمل کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اسی وجہ سے حکمران طبقہ جس کا نظام مٹ رہا ہو ہر زمانہ میں اس کی کوشش کرتا ہے کہ ان رجعت پسند خیالات کی تبلیغ کرے لیکن خیالات جو نئے طریقہ پیداوار اور نئے حالات کے مناسب ہوتے ہیں وہ عمل کا جذبہ پیدا کرتے ہیں تاکہ پرانے نظام کو ختم کر کے نیا نظام قائم کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے حکمران طبقہ ان ترقی پسند خیالات کی مخالفت کرتا ہے اگر کسی سرمایہ دار کے سامنے یہ کہئے کہ وہ نظام جس میں ایک طرف لاکھوں آدمی فاقے سے مرتے ہیں اور دوسری طرف ہزاروں من غلہ اس لئے جلا دیا جاتا ہے۔ کہ قیمتیں بہت انتہائی خراب ہے تو وہ سرمایہ دارانہ خیالات کو "انتہائی خطرناک"

بنائے گا۔ ان حالات، اور اس نظام میں جو خیال پیدا ہوگا وہ یہی ہوگا کہ چیزیں منافع کے لئے نہیں بنانی یا پیدا کرنی چاہئیں بلکہ پیداوار لوگوں کی ضرورتوں کا پابند ہونا چاہیئے۔ ان خیالات کے ساتھ ہی کمیونسٹ پارٹیاں وجود میں آتی ہیں اور وہ اس کی کوشش کرتی ہیں کہ اس سرمایہ داری نظام کو ختم کرکے نیا نظام قائم کیا جائے۔

معاشرتی ترقی اور تبدیلی کا جو مارکسی نظریہ ہے اور جسے تاریخی مادیت کا نام دیا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ انسان کا عمل اطراف کی مادی دنیا کے پابند ہے بلکہ اس کے برعکس انسان کا عمل اور مادی تبدیلیاں جو اس عمل سے پیدا ہوتی ہیں دونوں کچھ تو اطراف کے مادی حالات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور کچھ نتیجہ ہوتی ہیں اس علم کا جس کی مدد سے اس مادی دنیا پر قابو حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن انسان کو یہ علم مادی دنیا کے تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ تجربہ گھر میں آرام کرسی پر بیٹھ کر نہیں حاصل ہو جاتا بلکہ اس کام کے دوران میں ہوتا ہے جو اسے ضروریات زندگی کے تیار کرنے کے لئے کرنا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے اس کا علم بڑھتا جاتا ہے جیسے جیسے وہ چیزیں بنانے اور پیدا کرنے کے نئے نئے طریقے معلوم کرتا جاتا ہے اور انہیں استعمال کرتا ہے تو اپنی معاشرتی زندگی اس ترقی کی راہ میں مائل ہوتی ہے۔ وہ نئے طریقوں کو جس طرح چاہتا ہے اس طرح استعمال نہیں کرسکتا۔ اس وقت احساس اسے حقیقی زندگی کے تجربہ سے ہوتا ہے۔ شروع میں چند خاص برائیوں اور چند خاص رکاوٹوں کے خلاف لڑتا ہے اور آخرکار پورے نظام کے خلاف۔ جو جنگ چھڑتی ہے اس میں کود پڑتا ہے۔

ایک خاص حد تک تو یہ ہوتا ہے کہ جب نئی پیداواری قوتیں پرانی پیداواری قوتوں سے پیدا ہوتی ہیں تو یہ عمل غیر ارادی اور غیر منظم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پہلے نظام کے خلاف جو بغاوت یا جدوجہد ہوتی ہے وہ بھی غیر ارادی غیر منظم

ہوتی ہے لیکن ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ پرانا نظام نئی قوتوں کے ابھرنے اور بڑھنے کے راستہ میں حائل ہے اور اس وقت ترقی پسند طبقہ منظم طریقہ پر اس پرانے نظام کو الٹنے کا اقدام کرتا ہے۔ اب اس کا وقت نہیں رہا ہے کہ پیداواری قوتیں آئندہ بھی غیر منظم اور غیر ارادی طریقہ پر ترقی کریں۔ انسان نے گذشتہ صدیوں میں کافی تجربہ حاصل کر لیا ہے معاشرتی تبدیلی کے قوانین کا اسے کافی علم حاصل ہو گیا ہے اور وہ آسانی سے منظم طریقہ پر پرانے پیداواری نظام سے نئے پیداواری نظام میں آسکتا ہے اور ایسا نظام قائم کرسکتا ہے جس میں پیداوار میں مزاحمت نہ ہو بلکہ وہ منظم طریقہ پر ہو۔ انگلس نے لکھا ہے۔

"بیرونی خارجی قوتیں جو اب تک تاریخ بناتی آئی تھیں اب خود انسانوں کے قبضہ میں آجائیں گی اور پھر یہاں سے انسان اپنی تاریخ خود آپ بنائے گا۔"

سرمایہ دارانہ سماج

(۳)

مارکس نے اپنی زندگی کا کافی بڑا حصہ سرمایہ داری نظام کے مطالعہ پر صرف کیا۔ یہ نظام پیدا ہو کر انگلستان میں جاگیرداری نظام کو ہٹا کر قائم ہو چکا تھا۔ اور گزشتہ صدی میں ساری دنیا میں پھیل رہا تھا۔ مارکس کے مطالعہ کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ داری سماج کے "قانون حرکت" معلوم کرے۔ یعنی یہ سماج کس طرح پیدا ہوا کس طرح ترقی کر رہا ہے اور آئندہ وہ کس راہ پر بہتے گا۔ سرمایہ داری نظام دنیا میں

ہمیشہ سے تو تھا نہیں بلکہ آہستہ آہستہ پیدا ہوا اور بڑھنے لگا۔ اس کی جو نوعیت اٹھارویں صدی میں برطانیہ کے "صنعتی انقلاب" کے وقت تھی۔ وہ مارکس کے زمانہ میں نہیں رہی تھی۔ مارکس کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں تھا کہ اپنے زمانہ کے سرمایہ داری نظام کی باریکیوں کو بیان کرے بلکہ اس کا تجزیہ کرے اور یہ بتلائے کہ اس نظام میں کیا تبدیلی ہو رہی ہے اور کیوں ہو رہی ہے۔ یہ اس مسئلہ کا نئی قسم کا مطالعہ تھا۔ دوسرے ماہرین معاشیات جب سرمایہ داری پر کچھ لکھتے تو صرف وہ باتیں بیان کر دیتے جو انہیں اس وقت اس نظام میں نظر آتیں اور اس طرح مطالعہ کرتے گویا یہ نظام بدل نہیں رہا ہے بلکہ اسی طرح قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن مارکس نے اپنے مطالعہ سے معلوم کیا کہ جس طرح دوسرے نظام پیداوار پیدا ہوئے بڑھے اور فنا ہو گئے اسی طرح اس نظام میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف اس نے اپنے زمانہ کے نظام کی پوری تفصیلات بیان کیں بلکہ اس کی بھی سائنٹفک پیشین گوئی کی کہ یہ نظام کس طرف جا رہا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام جاگیرداری نظام سے پیدا ہوا۔ جاگیرداری نظام میں۔ کھانا کپڑے اور دوسری ضروریات کی چیزیں مقامی ضروریات کے لئے بنائی جاتی تھیں یہ چیزیں جاگیرداروں کی رعیت (Serfs) اپنے اور اپنے جاگیردار کے استعمال کے لئے پیدا کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ پیداوار بڑھی اور چیزیں ضروریات سے زیادہ بننے لگیں تو یہ فاضل پیداوار دوسرے ممالک بھیجی جانے لگی اور وہاں کی فاضل پیداوار یہاں آنے لگی۔ لیکن پیداوار کا بہت بڑا حصہ پیدا کرنے والے اور جاگیردار ہی استعمال کرتے۔

اس طریقہ پیداوار میں تبدیلی اسی وقت ہوئی جبکہ جاگیرداری سماج ٹوٹنے لگا اور اس کی جگہ پیداوار منافع کے لئے ہونے لگی چیزیں استعمال کیلئے نہیں بننے

لگیں بلکہ بیچنے کے لئے یا نفع کمانے کے لئے اور سرمایہ داری سماج کی یہی خصوصیت ہے جب پیداوار تجارت کے لئے یا منافع کیلئے ہوتی ہے تو اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو ایسے لوگ ہوتے چاہئیں جن کے پاس ذرائع پیداوار (کارخانے مشینیں وغیرہ) ہوں اور دوسرے ایسے لوگ ہوں جن کے پاس اپنے ذرائع پیداوار بالکل نہ ہوں اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے وہ روزگار حاصل کر سکیں۔ اور وہ زندہ رہنے کیلئے سرمایہ داروں کے کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور ہوں۔

سرمایہ داری نظام میں مزدور چیزیں اپنے استعمال کے لئے یا اپنے تنہے مالک (سرمایہ دار) کے استعمال کے لئے نہیں بناتے ہیں بلکہ اس لئے بناتے ہیں کہ سرمایہ دار انہیں بیچ کر نفع حاصل کرے۔ چیزیں جو وہ بناتے ہیں "تجارتی اشیاء" کہلاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ بازار میں بیچنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اس پیداوار کو بیچنے کے بعد جو رقم حاصل ہوتی ہے اس میں خام اشیاء اور دوسرے اخراجات اور مزدوروں کی مزدوری نکالنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے وہ سرمایہ دار کا منافع ہوتا ہے۔

سرمایہ دار کو یہ منافع کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ مارکس نے بتلایا کہ منافع اس لئے نہیں ہوتا کہ سرمایہ دار اپنے کارخانے کی بنائی ہوئی چیزیں ان کی حقیقی قیمتوں سے زیادہ پر بیچتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ ہر سرمایہ دار دوسرے سرمایہ دار کو دھوکہ دیتا ہے اور اس طرح ایک کو منافع ہوگا تو لازمی ہے کہ دوسرے کو نقصان ہوگا۔ اور اس طرح مجموعی طور پر سرمایہ دار طبقہ کو کوئی منافع نہیں ہوگا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ منافع چیزوں کو فروخت کرنے کے دوران میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کی تیاری کے دوران میں

تو اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ پیداوار کے دوران میں وہ کون سا عنصر داخل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے تیار چیز کی قدر کچے مال کی قدر سے بڑھ جاتی ہے۔

جب ہم اس چیز پر غور کرتے ہیں تو ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "قدر" کے معنی کیا ہیں۔ جب کوئی تاجر کسی شخص کے ہاتھ کوئی چیز بیچتا ہے تو بیچنے والے کو جو قیمت ملتی ہے وہ "قدر تبادلہ" کہلاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ سرمایہ داری نظام میں بھی کسی خاص خریدار کے لیئے چند خاص چیزیں خاص قیمت پر بنائی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ استثنائی صورت ہے مارکس کو اس سے بحث نہیں تھی بلکہ سرمایہ داری نظام کے عام طریقہ پیداوار سے بحث تھی جس میں کروڑوں ٹن چیزیں روزانہ بنائی جاتی ہیں اور عام خریداروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ان عام چیزوں کی قدر تبادلہ کون مقرر کرتا ہے۔ مثلاً ایک گز کپڑے کی قدر تبادلہ ایک پن سے کیوں زیادہ ہوتی ہے

قدر تبادلہ زر کی شکل میں بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً فلاں چیز اتنے روپیہ کی ہے۔ چیزوں کی قدروں کا آپس میں یا زر سے مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے؟ مارکس نے بتلایا ہے کہ مختلف چیزوں کی قدروں کا ہم اسی وقت مقابلہ کر سکتے ہیں جب کوئی چیز ان سب میں مشترک ہو اور جس کے گھٹنے بڑھنے سے چیزوں کی قدر بھی گھٹ بڑھ جائے۔ اور اس میں صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ یہ کہ یہ تمام چیزیں "انسانی محنت" سے بنتی ہیں۔ اس چیز کی "قدر تبادلہ" کا زیادہ ہوتی ہے جس پر انسانی محنت زیادہ صرف ہوئی ہو یا قدر تبادلہ انحصار اس محنت یا اس "محنت کے وقت" پر ہوتا ہے۔

انسانی محنت کے معنی یہ نہیں کہ اس کی تیاری میں کتنے افراد نے کام کیا بلکہ کتنے افراد کی محنت یا کتنی "معاشرتی محنت" اس پر صرف ہوئی۔

اگر قدر تبادلہ کی بنیاد یہ معاشرتی محنت قرار دی جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مزدور جو حقیقی معنوں میں چیزیں بنانے والا ہوتا ہے اس کی اجرت کا تعین کس طرح ہوتا ہے۔ مارکس نے بھی اس سوال کو اسی طرح رکھا ہے یعنی سرمایہ داری نظام میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں اور ان پر جو محنت صرف ہوتی ہے دونوں میں کون سی چیز مشترک ہے؟ ان دونوں میں ایک ہی چیز مشترک ہے جسے محنتی وقت کہتے ہیں۔ "محنتی وقت" کے معنی وہ اوسط وقت ہے جو غذا مکان اور دوسری چیزیں تیار کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ عام سرمایہ داری نظام میں یہ بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ ایک مزدور کے خاندان کو زندہ رکھنے کیلئے کتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں کے بنانے کے لئے جو محنتی وقت صرف ہوتا ہے اس سے قیمت تبادلہ کا تعین ہوتا ہے اور مزدور اپنی محنت سرمایہ دار کے ہاتھ بیچتا ہے

عام سرمایہ دار سوسائٹی میں یہ ہوتا ہے کہ مزدور کو جتنی اجرت دی جاتی ہے اس کے معاوضہ کا کام خواہ صرف چار گھنٹے ہی کا کیوں نہ ہو اس سے آٹھ دس گھنٹے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ابتدائی چار گھنٹے وہ جو کام کرتا ہے وہ اس کے ساری ہوتا ہے جتنی اسے اجرت ملتی ہے اور بقیہ چار چھ گھنٹے وہ جو کام کرتا ہے اور اس سے جو "فاضل قدر" پیدا ہوتی ہے۔ وہ سرمایہ دار کی جیب میں جاتی ہے۔ یہی اس کا "منافع" ہے۔

اس سلسلے میں چند نکات کی وضاحت ضروری ہے۔ "قدر تبادلہ" کی اصطلاح اس لئے استعمال کی گئی ہے کہ پورے تجزیہ کی بنیاد ہی اسی پر ہے۔ لیکن حقیقی زندگی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ چیزیں اپنی اصلی "قدر تبادلہ" پر فروخت ہوتی ہیں۔ بنی

ہوتی چیزیں یا انسانی محنت دونوں بازار میں اس قیمت پر بیچی اور خریدی جاتی ہیں جو اصل قدرتبادلہ سے کم بھی ہوتی ہیں اور زیادہ بھی مثلاً اگر ایک چیز بازار میں بہت بڑی مقدار میں ہوتی ہے تو وہ اصل قیمت یا "قدرتبادلہ" سے کم قیمت پر فروخت ہوگی اور اگر بازار میں اس چیز کی کمی ہو تو قیمت زیادہ ہوگی قیمتوں کے اس اتار چڑھاؤ کا دارومدار چیزوں کی مانگ اور ان کی رسد پر ہوتا ہے اور اس سے بعض سرمایہ دار ماہر معاشیات یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ قیمتوں کا انحصار بازار کی مانگ اور رسد پر ہوتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ پن کی مانگ موٹروں سے زیادہ ہوتی ہے لیکن موٹروں کی قیمت پنوں سے کم نہیں ہوتی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل قدر نہیں بلکہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا دارومدار ان کی مانگ اور ان کی رسد پر ہوتا ہے۔ اور یہ اتار چڑھاؤ ایک خاص حد سے نہیں گذر سکتا اور یہ حد مقرر ہوتی ہے اس محنتی وقت سے جو اس کی تیاری پر صرف ہوتا ہے۔

محنت کے معاوضہ یا اُجرت پر بھی چیزوں کی مانگ اور رسد کا اثر پڑتا ہے لیکن ساتھ ہی دوسری چیزوں کا بھی اثر پڑتا ہے مثلاً مزدور سبھاؤں کی تنظیم اور ان کی طاقت۔ مزدور اپنی سبھاؤں کے اندر منظم ہوں تو اجرت بھی بڑھ جاتی ہے لیکن یہ بھی ایک خاص حد سے نہیں بڑھ سکتی۔

مختلف قسم کے مزدوروں کی محنتی صلاحیت یکساں نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک ماہر مزدور ایک گھنٹہ میں زیادہ قیمت کی چیز بنا لیتا ہے بہ نسبت غیر ماہر مزدور کے سب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرق کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ مارکس نے اس کا جواب دیا ہے۔ ماہر مزدور کو غیر ماہر مزدور سے زیادہ اُجرت اس لئے نہیں دی جاتی کہ یہ کوئی اخلاقی سوال ہے بلکہ اس لئے کہ ماہر مزدور کی محنت کی قدرتبادلہ زیادہ ہے بہ نسبت غیر ماہر مزدور کی۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ

دخانی جہاز کی قیمت معمولی کشتی سے زیادہ ہوتی ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مارکس نے جو اس نظام کا تجزیہ کیا اور یہ معلوم کیا کہ منافع کا اصل منبع کیا ہے تو اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اس سے ہم سرمایہ داری نظام کی طبقہ داری کشمکش کی تشریح کر سکتے ہیں۔ تمام کارخانوں وغیرہ میں جہاں مزدوروں سے اجرت پر کام لیا جاتا ہے وہاں مزدور جو کچھ پیدا کرتے ہیں اور اس کی جو حقیقی قیمت ہوتی ہے اس کا نصف یا اس سے بھی کم اسے اجرت ملتی ہے اور بقیہ حصہ کارخانہ دار کی جیب کی نذر ہو جاتا ہے سرمایہ دار ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اپنے حصہ میں اضافہ کرتا ہے اور اس کیلئے وہ کئی طریقے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً مزدوروں کی اُجرت گھٹا دیتا ہے۔ کام کی رفتار بڑھا دیتا ہے۔ کام کا وقت بڑھا دیتا ہے۔ یعنی اس طرح وہ مزدور کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ وہ پیدا کرے اس کا بڑا حصہ سرمایہ دار کو ملے اور کم حصہ مزدور کو اور مزدور اس کے برعکس جد و جہد کرتا ہے اور زیادہ اجرت دینے اور کام کے اوقات گھٹانے کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس طرح سے مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش جاری رہتی ہے جو اسوقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک یہ نظام باقی ہے۔ یہ لڑائی شروع میں سرمایہ دار اور چند مزدوروں میں انفرادی طور پر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ پھیلتی جاتی ہے۔ مزدور اپنی سبھائیں بناتے ہیں اور سرمایہ دار اپنا گٹھ جوڑ قائم کرتے ہیں اور دونوں کی کشمکش جاری رہتی ہے۔ آخر میں مزدوروں کے سیاسی ادارے قائم ہوتے ہیں جو اپنے جھنڈے کے نیچے صنعتوں سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں اور عوام کو منظم کرتے ہیں اور سرمایہ دار طبقہ کے خلاف جد و جہد شروع کرتے ہیں۔ اس جد و جہد کی آخری شکل یہ ہوتی ہے کہ انقلاب آجاتا ہے۔

سرمایہ داری نظام کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے اور ایسا نظام قائم کیا جاتا ہے جس میں مزدوروں کی محنت کا ایک حصہ دوسروں کی جیب میں نہیں چلا جاتا۔ اس کی تفصیل آئندہ دی جائے گی۔ یہاں بتلانا یہ ہے کہ سرمایہ داری میں جو طبقہ داری کشمکش جاری رہتی ہے وہ اس نظام کے طریقۂ پیداوار کا لازمی نتیجہ ہے اس پیداوار میں دو طبقہ حصہ لیتے ہیں دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اس لئے ہمیشہ ٹکر ہوتی رہتی ہے۔

منافع اور اجرتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد اب سرمایہ کی طرف آئیں گے پہلے تو یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پیداوار کے دوران میں جو فاضل قدر پیدا ہوتی ہے یا جو منافع سرمایہ دار کو ملتا ہے وہ اسے اپنے پاس جمع کر کے نہیں رکھتا بلکہ یہ ایک قسم کا چشمہ ہوتا ہے جس سے بیسیوں سرمایہ دار گروہ فیض اٹھاتے ہیں۔ زمین کا مالک اپنا کرایہ لیتا ہے بینکر اپنا سود لیتا ہے درمیانی آدمی یا سوداگر اپنا تجارتی منافع لیتا ہے باقی کارخانہ دار کے ہاتھ آتا ہے اور اس طرح ان سرمایہ دار گروہوں کے درمیان بھی آپس میں کشمکش جاری رہتی ہے لیکن مزدور کے مقابلہ میں ان میں بالکل ایکا رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر سرمایہ کیا ہے؟

سرمایہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً مشینری۔ عمارتیں۔ کچا مال۔ ایندھن وغیرہ اور دوسری چیزیں جو پیداوار کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی اس میں وہ رقم بھی شریک ہے جس سے اجرتیں دی جاتی ہیں لیکن ساری مشینیں، عمارتیں اور ساری نقد رقم بھی سرمایہ نہیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک کسان ہے جس کے پاس رہنے کیلئے عمارت ہے۔ اس کے اطراف چند گز زمین بھی ہے۔ اور اگر وہ خود اپنا اور ان چیزوں کا آپ مالک اور کسی اور کا ملازم نہیں ہے تو یہ چیزیں سرمایہ نہیں ہونگی

سوویٹ یونین کے کسانوں کی یہی حالت ہے۔

کوئی جائداد (خواہ کسی شکل میں ہو) اسی وقت سرمایہ بنتی ہے جبکہ وہ "فاضل قدر" یا منافع پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جائے۔ یعنی وہ اس طرح استعمال کی جائے کہ مزدور کام کریں اور "زائد قدر" پیدا کریں۔ جب دوسرے مزدور لگا کر منافع حاصل کیا جاتا ہے تو پھر یہ جائداد سرمایہ بنتی ہے۔

سرمایہ کس طرح وجود میں آتا ہے؟

اگر ہم پچھلی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جو سرمایہ جمع کیا گیا وہ ڈکیتی سے کم نہیں تھا۔ یورپ کے "لیٹروں" نے امریکہ، ہندوستان اور افریقہ میں سونا لوٹ کر یہ سرمایہ پیدا کیا تھا۔ لیکن صرف لوٹ کا یہی ایک طریقہ سرمایہ جمع کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا گیا۔ مثلاً انگلستان میں سرمایہ دار زمینداروں نے بہت ساری زمینوں پر قوانین بنوا کر زبردستی قبضہ کر لیا۔ غریب کاشتکاروں کو بے گھر و بے روزگار کر دیا اور اس طرح وہ مجبور ہو گئے کہ کارخانوں میں جا کر کام کریں۔ مارکس نے بتلایا ہے کہ ابتداً سرمایہ اصل میں اسی طرح جمع ہوا اور یہ بالکل افسانہ ہے کہ انسان نے محنت کر کے کفایت شعاری سے تھوڑی تھوڑی پونجی اکٹھا کی اور یہی سرمایہ بن گئی۔

یہ سرمایہ جو ابتدا میں اس طرح جمع ہوا تھا اسی حالت میں نہیں رہا بلکہ بڑی تیزی سے بڑھنے لگا۔ اگر ابتدائی سرمایہ ڈاکہ کے ذریعہ جمع کیا گیا تھا تو بعد میں اس میں اضافہ کس طرح ہوا؟

مارکس جواب دیتا ہے کہ وہ لوٹ سامنے کے دروازے سے تھی اور یہ پیچھے کے دروازے سے ہے۔ مزدور جو کچھ پیدا کرتا ہے اس کا کافی بڑا حصہ سرمایہ دار کے ہاتھ لگتا ہے اور اس "منافع" کا کچھ حصہ وہ اپنی ضروریات پر صرف کرتا ہے اور باقی کو سرمایہ کے طور پر پھر سے صنعتوں اور دوسرے ذرائع پیداوار میں لگاتا ہے اور اس

طرح اس کا سرمایہ بڑھتا جاتا ہے۔

اس کا یہ سرمایہ لا انتہا بڑھتا چلا جاتا اگر دوسری معاشی اور معاشرتی قوتیں اس کی راہ میں حائل نہ ہوتیں۔ آگے چل کر جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ اس کے لئے بنتی ہے وہ طبقہ واری کشمکش ہے جو سرمایہ داری پیداوار میں قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالتی ہے اور آخرکار اس نظام ہی کو ختم کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نظام کے اندر خود ایسے تضادات موجود ہیں جو پیداوار کو متاثر کرتے رہتے ہیں

اس نظام میں ایک خاص مدت کے بعد معاشی بحران آتے ہیں جو کہ نہ صرف سرمایہ کو بڑھنے سے روکتے ہیں بلکہ بعض اوقات وہ سرمایہ بھی تباہ ہو جاتا ہے جو سالوں میں جمع ہوا تھا۔ مارکس نے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں ایک جگہ لکھا ہے "جب یہ معاشی بحران آتا ہے تو ایک عام وبا سارے نظام میں پھیل جاتی ہے یعنی چیزیں ضروریات سے زیادہ بننے لگتی ہیں یا یہ کہ چیزوں کی مانگ سے گھٹ جاتی ہے یہ چیز سرمایہ داری کے ابتدائی زمانے میں کہی جاتی تو مہمل نظر آتی۔ جاگیرداری سماج میں اگر گیہوں کی فصل اچھی ہوتی تو لوگ خوش ہوتے اور یہ کہتے کہ اب کھانے کو خوب ملے گا۔ اور سرمایہ داری نظام میں یہ ہوتا ہے کہ یہ فاضل پیداوار کھپ نہیں سکتی اسلئے آئندہ سال کاشت کم ہو گی جس کی وجہ سے بے شمار مزدور بیکار ہو جائیں گے اور فاقہ کشی ہونے لگے گی۔

سرمایہ داری نظام کے معاشی بحران سے آجکل ہر شخص واقف ہے۔ اس نظام میں ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ چیزیں ضروریات سے زیادہ بننے لگتی ہیں جس کی وجہ سے کارخانے بند کئے جانے لگتے ہیں اور بے روزگاری پھیل جاتی ہے۔ بے روزگاری پیدا ہوتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کافی لوگ غریب ہو جاتے ہیں چیزوں کی مانگ اور گھٹ جاتی ہے اسلئے کارخانوں کی پیداوار اور گرنے لگتی ہے ساتھ

ہی بے روزگاری بڑھتی ہے۔ اب نئے کارخانے نہیں قائم کئے جاتے بلکہ بہت سارے تو تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک طرف غلہ جلایا جاتا ہے تاکہ اس کی قیمت بڑھے دوسری طرف بے روزگار مزدور اور ان کے خاندان فاقہ کشی کی وجہ سے بیماریوں اور موت کے شکار ہوتے ہیں اس تباہی کے بعد جبکہ فاضل پیداوار اور ذرائع پیداوار کا کافی بڑا حصہ تباہ کر دیا جاتا ہے تو پھر پیداوار مانگ سے گر جاتی ہے اور حالات بہتر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ پیداوار پھر بڑھنا شروع ہوتی ہے نئے کارخانے قائم ہونے لگتے ہیں۔ تجارت بڑھتی ہے اور بے روزگاری کم ہونے لگتی ہے اور پھر کچھ عرصہ بعد یہ نوبت آتی ہے کہ پیداوار پھر طلب سے بڑھ جاتی ہے اور پھر نئے سرے سے بحران شروع ہو جاتا ہے۔

اس بحران کا سبب کیا ہے؟ مارکس نے اس کا جواب دیا ہے کہ سرمایہ داری طریقہ پیداوار کا قانون ہے کہ سرمایہ کا ہر مالک پھیلنا چاہتا ہے تاکہ پیداوار بڑھے اور زیادہ منافع ہو۔ جتنا سرمایہ بڑھے گا اتنی پیداوار بھی بڑھے گی لیکن ساتھ ہی جتنا سرمایہ بڑھے گا اسی تناسب سے مزدوروں کی تعداد نہیں بڑھے گی اس لئے کہ سرمایہ کے بڑھنے سے نئی نئی مشینیں آئیں گی اور آدمیوں کی تعداد گھٹے گی یا دوسرے الفاظ میں اسے یوں بیان کر سکتے ہیں کہ سرمایہ کے بڑھنے سے پیداوار بڑھے گی اجرت گھٹے گی اور اس کی وجہ سے معیار زندگی گھٹے گا اور چیزوں کی مانگ بھی گھٹے گی (یہاں ایک چیز صاف کر دینی چاہیئے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سرمایہ کے بڑھنے سے ہر مزدور کی اجرت میں کمی بھی لازمی ہو لیکن پیداوار جس تناسب سے بڑھتی ہے اس تناسب سے اجرت میں اضافہ نہیں ہوتا)

اس طرح ایک طرف پیداوار بڑھتی ہے اور دوسری طرف معیار زندگی نہیں بڑھتا تو قوت خرید نہیں بڑھتی اور اس لئے معاشی بحران آجاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سرمایہ داری نظام میں ایک اور چیز بڑی اہمیت رکھتی ہے وہ سرمایہ داری کا باہمی مقابلہ ہے۔ جس طرح سرمایہ داری نظام میں ہر چیز کے دو متضاد رخ ہوتے ہیں اسی طرح اس کے بھی دو رخ ہوتے ہیں ایک طرف مقابلہ کی وجہ سے ہر کارخانہ دار اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے مال کی لاگت کم سے کم آئے تاکہ وہ کم سے کم قیمت پر بازار میں بیچ سکے اور اس کے لئے وہ اجرتوں میں کمی کرتا ہے۔ بڑے پیمانے پر چیزیں بناتا ہے اور نئی مشینیں استعمال کرتا ہے۔ دوسری طرف بڑے کارخانے جو مختلف طریقوں سے پیداوار بڑھا لیتے ہیں وہ ایسے حالات بھی پیدا کر دیتے ہیں کہ رسد طلب سے بڑھ جاتی ہے اور معاشی بحران آجاتا ہے۔

اس طرح وہ کارخانہ جو نئی مشینوں کے ذریعہ اپنی ٹکنک کو ترقی دیتا ہے تو اسے اس وقت تک تو مقابلتاً زیادہ منافع ملتا ہے جب تک کہ دوسرے مقابل بھی اسی قدر ترقی نہیں کر لیتے۔ لیکن سب مقابلہ کرنے والے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک کو اتنا سرمایہ نہیں ملتا جتنا کہ اس مقابلہ کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو اس مقابلہ کی دوڑ میں ساتھ نہیں دے سکتے ان کا دیوالہ نکل جاتا ہے اور وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایک بڑا سرمایہ دار بہت سارے چھوٹوں کو کھا جاتا ہے اور ہر صنعت میں چھوٹے کارخانے ختم ہونے لگتے ہیں اور ان کی جگہ چند اداروں سے لے لیتے ہیں۔ اس طرح سرمایہ داری مقابلہ سے ایک اس کی مدمقابل "سرمایہ داری اجارہ داری" پیدا ہوتی ہے اس سے سوسائٹی میں نئی باتیں آجاتی ہیں جن کا ذکر آئندہ صفحوں میں کیا گیا ہے

سرمایہ داری کا سامراجی دور

(۴)

اگر کوئی ملک اپنے سے کم ترقی یافتہ ملک پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کرے تو عام زبان میں اس ملک کو سامراجی ملک اور اس کی پالیسی کو سامراجی پالیسی کہتے ہیں۔ کوئی ملک دوسرے ملک پر قبضہ اس لئے نہیں کرنا چاہتا کہ اس سے اس کی شان بڑھتی ہے بلکہ اس کے کچھ معاشی اسباب ہوتے ہیں۔ بعض وقت اس کو یہ رنگ بھی دیا جاتا ہے کہ جب کسی ملک کی آبادی بڑھ جاتی ہے اور پیداوار بھی بڑھ جاتی ہے تو آبادی کے لئے جگہ پیدا کرنے اور خام مال اور تجارت کے لئے نئے ممالک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے اس ملک کو دوسرے علاقوں پر مجبوراً قبضہ کرنا پڑتا ہے

یہ سب باتیں کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتیں۔ ہم صحیح نتیجہ پر اسی وقت پہنچ سکتے ہیں جبکہ پوری تصویر ہمارے سامنے ہو اور ہم اس کا مکمل تجزیہ کریں۔ اس لئے کہ بغیر دوسرے ملک پر قبضہ کے بھی ان سے تجارت اچھی طرح ہو سکتی ہے چنانچہ انگلستان اتنی بڑی سلطنت کے باوجود بیرونی ممالک سے تجارت کرتا ہے کچا مال اور کھانے پینے کی چیزیں بھی دوسرے ممالک سے مل سکتی ہیں۔ چنانچہ انگلستان میں یہ چیزیں آتی ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ غیر معمولی حالات کو چھوڑ کر دنیا کے اکثر ممالک میں کھانے پینے کی چیزیں ضروریات سے زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اور اکثر ممالک اسے برآمد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ جہاں تک زیادہ

آبادی کو بسانے کا سوال ہے تو ایشیا کے مقبوضہ ممالک بہت کم علاقے ایسے ہیں جہاں یورپ کی قومیں بس سکتی ہیں۔ اس طرح دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے فاشسٹ جو سبب بتاتے ہیں اور جنہیں اور دوسرے لوگ بھی دہراتے ہیں بے معنی ثابت ہونے لگتے ہیں۔

موجودہ سامراجی دور کا سائنٹیفک تجزیہ سب سے پہلے لینن نے کیا۔ اس نے بتلایا کہ اس دور کی خصوصیت ہے کہ اشیا کے علاوہ سرمایہ بھی برآمد کیا جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام کے اندر چند خاص تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اس لئے اس نے یہ دکھایا کہ سامراجیت سرمایہ داری عہد کے ایک خاص دور کی خصوصیت ہے یہ وہ عہد ہے جبکہ بڑے سرمایہ دار ممالک میں بڑے پیمانہ پر اجارہ داری کا رواج ہو گیا۔

صنعتی سرمایہ داری کے ابتدائی دور میں کارخانے، کانیں اور دوسرے کاروبار بہت چھوٹے تھے۔ اور ایک کارخانہ شروع کرنے یا کان کھودنے کے لئے اتنا تھوڑا سرمایہ درکار ہوتا تھا کہ وہ آسانی سے مل جاتا تھا۔ جو کوئی نئی ٹکنیکل ترقی ہوتی تو سرمایہ کی ضرورت بڑھتی جاتی۔ ساتھ ہی دوسری طرف صنعتی پیداوار کے لئے بازار وسیع ہوتا گیا اور دستکاری اور گھریلو صنعتوں پر کاری ضرب پڑنے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے کارخانے تیزی سے بننے لگے۔ ریل اور دخانی جہاز کی ایجاد سے لوہے اور فولاد کی صنعتیں ترقی کرنے لگیں اور ان کے بڑے بڑے کارخانے وجود میں آنے لگے۔

کارخانہ میں خواہ وہ کسی صنعت کا ہو خرچ کم آتا ہے اور منافع زیادہ ہوتا ہے بڑے کارخانوں کے قیام سے چھوٹے کارخانوں کے لئے مصیبت آگئی۔ اس لئے کہ وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے یا تو وہ بند ہونے لگے یا بڑے

کارخانوں میں جذب ہونے لگے۔

اس کی وجہ سے دوہرا عمل شروع ہو گیا۔ ایک طرف بڑے بڑے کارخانے قائم ہونے لگے اور بے شمار چھوٹے کارخانے غائب ہونے لگے۔ دوسری طرف چھوٹے سرمایہ دار ختم ہونے لگے اور چند بڑے مالدار سرمایہ داروں کے پاس کارخانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ مارکس نے بھی یہ چیز اپنے زمانے میں محسوس کی تھی اور اس نے اس طرف توجہ بھی دلوائی تھی اور بتلایا تھا کہ اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر ذرائع پیداوار دولت سمٹ کر چند لوگوں کے قبضہ میں آ جائیں گے آزاد مقابلہ کی جگہ اجارہ داری آ جائے گی اور سرمایہ داری کے تضادات ابھر کر بہت تیز ہو جائیں گے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں لینن نے اپنی مشہور کتاب "امپیریلزم" میں سرمایہ داری کے اس اجارہ داری دور کے متعلق تمام اعداد و شمار اور معلومات جمع کئے ہیں اور اس دور کی سیاسی، معاشرتی اور خاص طور پر معاشی خصوصیات کی جانب توجہ دلوائی ہے۔ مارکس نے سرمایہ داری کے ارتقاء کے متعلق جو کام کیا تھا اسے لینن نے آگے بڑھایا اور اسے مکمل کیا۔ لینن نے بتلایا کہ سرمایہ داری کا سامراجی دور جو ۱۹۰۰ء عیسوی کے لگ بھگ شروع ہوا تھا اس کی پانچ خصوصیات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

(۱) سرمایہ اور ذرائع پیداوار کے چند لوگوں کے قبضہ میں آ جانے کی وجہ سے اجارہ داری پیدا ہو گئی ہے جس کا اثر معاشی زندگی پر بہت کافی پڑ رہا ہے اجارہ داری یوں تو ہر سرمایہ دار ملک میں آئی لیکن اس نے ترقی سب سے زیادہ امریکہ اور جرمنی میں کی۔ اور ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد انگلستان میں بھی اجارہ داری بڑھنے لگی چنانچہ بیسے صنعتی ادارے مثلاً لندن ٹرانسپورٹ بورڈ امپیریل

کیمیکل انڈسٹریز وغیرہ سرا ایک کا سرمایہ دس کروڑ پاؤنڈ (ایک ارب ۳۰ کروڑ روپیہ کے قریب) ہو گیا۔ ہر بڑی صنعت میں مجموعی تجارت کا بڑا حصہ چند بڑے اداروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور ان ہی کا پوری صنعت پر قابو ہوتا ہے۔ وہی قیمتیں مقرر کردتے ہیں۔ وہی پیداوار کی مقدار مقرر کرداتے ہیں

(۲) بنک کا سرمایہ صنعتی سرمایہ میں ضم ہو گیا ہے۔ اور ان دونوں کے اکٹھا ہونے سے اس کو "مالیاتی سرمایہ" کا نام دیا گیا ہے اور اصل میں سرمایہ دار ممالک میں اسی کی حکمرانی ہوتی ہے۔

اس کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ سرمایہ داری کے شروع کے زمانے میں کارخانہ دار اور بنک کا کاروبار کرنے والے الگ الگ ہوتے تھے۔ ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ سوائے اس کے کہ کارخانہ دار بنک سے قرض لیتے یا اپنی فاضل رقم وہاں جمع کرواتے۔ جب آگے چل کر آہستہ آہستہ صنعتوں اور بنکوں کی کمپنیاں قائم ہونے لگیں تو بنک کار بنک کا کاروبار کرنے والے اپنا روپیہ صنعتوں میں لگانے لگے۔ اور کارخانہ دار اپنا سرمایہ بنکوں میں لگانے لگے اور اس طرح بڑے بڑے بنک کار اور کارخانہ دار دونوں کا حصہ بنکوں اور کارخانوں دونوں میں ہو گیا۔ اور اس طرح ایک چھوٹے سے طبقہ کا اثر بہت بڑھ گیا۔ (بعض ممالک مثلاً انگلستان میں بڑے زمیندار بھی اس گروہ میں شریک ہو گئے) بنک اور صنعتی سرمایہ کے اس گٹھ جوڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب صرف وہی صنعتیں پنپنے لگیں اور وہی کارخانے چلنے لگے جنہیں اس کی امداد حاصل ہو جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام بڑے سرمایہ دار ممالک میں صرف چند بہت مالدار سرمایہ داروں کا اقتدار نہ صرف صنعتوں اور بنکوں پر قائم ہو گیا بلکہ حکومت کی مشینری پر بھی ان کا اثر قائم ہو گیا۔

بنک اور صنعتوں کے گٹھ جوڑ کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ صنعتوں کے ڈائرکٹروں میں بنک کاروں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب تمام صنعتوں پر بنکوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ بلکہ وہی چند بڑے سرمایہ دار بنک کے کاروبار پر بھی چھائے ہوئے ہیں اور صنعتوں کے بھی۔ اس کے لئے ایک مثال کافی ہوگی انگلستان کے بنک آف انگلینڈ اور دوسرے چند بنکوں کے ڈائرکٹر ۱۹۰۶ء میں ۱۷۵ صنعتی اداروں کے ڈائرکٹر تھے ۱۹۱۲ء میں ۲۲۹ کے ڈائرکٹر ہو گئے اور ۱۹۳۹ء میں ۲۵۰ صنعتی اداروں کے ڈائرکٹر تھے اور ان اداروں میں برطانیہ کی سب سے بڑی صنعتی کمپنیاں لندن ٹرانسپورٹ اور امپیریل کیمیکلس شامل ہیں۔

(۲) صنعتی چیزوں کے علاوہ سرمایہ بھی اس دور میں بہت بڑے پیمانے پر برآمد کیا جانے لگا۔

سرمایہ داری کے ابتدائی دور میں تمام سرمایہ دار ممالک مثلاً برطانیہ وغیرہ سوتی کپڑا اور دوسری صنعتی چیزیں دوسرے ممالک بھیجتے تھے اور وہاں سے کچا مال اور کھانے پینے کی چیزیں خرید کے اپنے ملک میں درآمد کرتے تھے لیکن گذشتہ صدی کے وسط سے اور خاص طور سے آخری دور سے یہ رجحان بڑھنے لگا کہ سرمایہ دوسرے ممالک میں بھیجا جائے۔ وہاں صنعتوں یا تجارت وغیرہ میں لگایا جائے اور اس طرح زیادہ منافع حاصل کیا جائے مثلاً برطانوی سامراجی سرمایہ نے اپنا جال ہندوستان وغیرہ میں پھیلایا اور یہاں ریلوں، کانوں، چائے کے باغوں اور سن کی صنعت میں اپنا روپیہ لگایا اور خوب اچھی طرح سے ملک کو لوٹا اس طرح انہوں نے ایک طرف خوب نفع کمایا دوسری طرف دوسری ہندوستانی اور بیرونی صنعتوں کو یہاں پنپنے اور پھیلنے نہیں دیا۔

(۳) بین الاقوامی اجارہ داریاں قائم ہوئیں اور انہوں نے ساری دنیا تقسیم کر لی۔

اس لئے مختلف ممالک کے بڑے بڑے کارخانہ داروں نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ مثلاً فولاد کی صنعتوں کے کارخانہ داروں نے ایک ادارہ قائم کر لیا اور اس کی مدد سے یہ طے کر لیا گیا کہ کونسا کارخانہ کس علاقہ میں تجارت کرے گا اور اس کا امکان مٹا دیا کہ فولاد کی کوئی نئی کمپنی قائم ہو کر ان کے بازار پر قبضہ جما سکے۔

(۵) دنیا کی بڑی قوتوں نے ساری دنیا کی بانٹ مکمل کر لی اور اب کوئی علاقہ ایسا نہیں رہا جو کسی نہ کسی بڑے سرمایہ دار ملک کے قبضہ یا اثر میں نہ ہو۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب کسی بڑے ملک کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ جس پسماندہ ملک پر چاہے قبضہ کر لے سرمایہ دار ممالک کے اضافی سرمایہ کے سرمایہ داروں کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ اپنے ملک میں توسیع کر سکیں سوائے اس کے کہ بڑے پیمانہ پر جنگ چھیڑی جائے اور دنیا کی دوبارہ تقسیم کی جائے

اس سلسلہ میں لینن نے جو باتیں لکھی ہیں وہ آج کے زمانے میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس نے یہ بتلایا تھا کہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سامراجی ممالک صرف نوآبادیات اور پسماندہ ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات ضروری نہیں ہے۔ وہ ترقی یافتہ یورپ کے ممالک کو ہڑپ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ گذشتہ دس سال میں فاشسٹ جرمنی اور اٹلی نے جو کچھ کیا وہ اس کی ایک اچھی مثال ہے۔

لینن نے سرمایہ داری کے سامراجی دور کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس دور میں بہت بڑے اور سخت معاشی بحران آئیں گے اور اسی کے ساتھ عالمگیر لڑائیاں چھڑیں گی۔ دوسری طرف مزدوروں کی تحریک بڑھے گی۔ وہ انقلاب لائیں گے ساتھ ہی نوآبادیات اور پسماندہ مقبوضہ ممالک میں بیداری بڑھیگی اور سامراجیوں کے خلاف ان کی جدوجہد اور آزادی کی لڑائی بھی تیزی سے

بڑھے گی۔ اس تجزیہ کی تصدیق گذشتہ ۳۰ سال کے واقعات خاص طور سے ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۳ء کے معاشی بحران۔ گزشتہ عالمگیر جنگ، یورپ میں سرمایہ داری نظام پر کاری ضرب اور مزدوروں کی ابھرتی ہوئی تحریک اور مشرق قریب۔ ہندوستان انڈونیشیا اور ملایا وغیرہ میں بڑھتی ہوئی آزادی کی جنگ سے ہوتی ہے۔

سرمایہ داری نظام کے اس دور میں سارا سرمایہ سمٹ کر چند لوگوں کے ہاتھ میں جمع ہو گیا اور یہ گروہ اتنا طاقتور ہو گیا کہ ان ممالک کی حکومتوں پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ان حکومتوں کی پالیسی بالکل اس گروہ کے مفاد کی پابند ہو گئی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد تمام بڑے ممالک میں آپس میں معاشی جنگ چھڑ گئی۔ ہر ملک دوسرے ملک کے مال کی درآمد پر بڑے بڑے محصول لگانے لگا۔ آخر میں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساری دنیا کو پھر ایک مرتبہ اتنی بڑی لڑائی میں پھنسنا پڑا۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف ممالک کے ان مالدار گروہوں میں آپس میں جنگ کیوں چھڑی رہتی ہے؟ آخر وہ آپس میں کوئی سمجھوتہ کر کے دنیا کو تقسیم کیوں نہیں کر لیتے؟

اوپر اس کا ذکر آچکا ہے کہ مختلف ممالک کے بڑے سرمایہ دار آپس میں یہ سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ وہ مقابلہ نہیں کریں گے اور وہ تمام بازار آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باہمی مقابلہ ختم ہو جاتا ہے اور ایک طرح سے بین الاقوامی تجارتی امن قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن لینن نے واقعات اور حقایق سے یہ بتلایا ہے کہ اس قسم کے معاہدے کبھی پائیدار نہیں ہوتے۔ مثلاً ۱۹۰۵ء میں برطانیہ۔ فرانس۔ جرمنی اور امریکہ میں ایک تجارتی

معاہدہ ہوا۔ اور ہر ملک کی پیداوار کے لحاظ سے بازار تقسیم کر دیئے گئے۔ لیکن سرمایہ داری نظام کا یہ قانون ہے کہ ہر ملک کی پیداوار میں ترقی یکساں طرح نہیں ہوتی ہر جگہ کے حالات کے لحاظ سے اس میں فرق ہوتا ہے چند سال کے بعد جرمنی یا امریکہ کی پیداوار دوسروں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے اور اسے جو بازار ملے ہیں وہ اس کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگتے ہیں۔ وہ اس پرانے معاہدے کی مخالفت شروع کرتا ہے۔ اور جب دوسرے ممالک اس نئی ترتیب پر مطمئن نہیں ہوتے تو پھر سخت مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور گزشتہ پچاس سال کا تجربہ ہے کہ ان تمام معاہدوں کا ہمیشہ یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

صرف معاشی جنگ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس لئے مالیاتی سرمایہ کے گروہ کے بڑے سرمایہ دار اپنے ملک کی حکومت کے ذریعہ دوسرے ممالک کے مال کی درآمد پر بڑے بڑے محصول لگواتے ہیں۔ دوسروں کے مال کی درآمد کی مقدار مقرر کرواتے ہیں۔ دوسرے کمزور ممالک کو مجبور کر کے ان سے تجارتی معاہدے کرواتے ہیں جن کے ذریعہ دوسروں کے مقابلہ میں رعایتیں حاصل ہو جاتی ہیں کمزور ممالک کو معاشی اثر میں لے آتے ہیں یا قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور آخر کار جنگ کے لئے مسلح ہونا شروع کر دیتے ہیں تاکہ اگر فتح ہو تو کم از کم کچھ عرصہ تک تو دوسروں پر برتری حاصل رہے گی۔

ہر ملک میں تجارت صنعت اور دولت پر چند لوگوں کی اجارہ داری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چند سال بعد دنیا جنگ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ صرف اس اجارہ داری سے یا اس معاشی عمل سے ساری دنیا کو جنگ میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ لیکن سرمایہ داری کے ارتقاء سے صرف اسی ایک معاشرتی مصیبت کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ پیداواری قوتوں کے بڑھنے اور اس کے ساتھ مقابلہ کے بڑھنے کی وجہ سے نئے

نئے ٹکنیکل طریقے آنے لگتے ہیں۔ مزدور کم کئے جاتے ہیں بے روزگاری بڑھنے لگتی ہے اور معاشی بحران آتے ہیں۔ سوائے جنگ کے کسی زمانہ میں بھی پیداواری قوتوں سے پوری طرح کام نہیں لیا جاتا۔ انتہائی خوش حالی کے زمانہ تک میں سینکڑوں مشینیں بیکار پڑی رہتی ہیں۔ لاکھوں ایکڑ زمینیں بغیر کاشت کے بنجر پڑی رہتی ہیں اور مزدور بے کار رہتے ہیں

پیداوار دولت کے ذرائع صرف چند لوگوں کے پاس سمٹ کر آگئے ہیں اور معاشی نظام کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ خانگی سرمایہ کا جب دور شروع ہوا تو اس نے نہایت ترقی پسند فرض ادا کیا۔ پیداواری قوتوں کو ترقی دی اور آج اجارہ داری کے دور میں بھی خانگی ملکیت کا نظام انسانی سماج کی ترقی میں حائل ہے مختلف سامراجی گروہوں کے آپس کے مقابلہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مزدوروں کی حالت دن بدن گرتی جاتی ہے نئی نئی مشینوں کی ایجاد سے بے روزگاری بڑھائی جاتی ہے ساتھ ہی مزدوروں کو زیادہ کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ چھڑ جاتی ہے اور اس کی تیاری پر قومی دولت کا بڑا حصہ صرف ہونے لگتا ہے اور مزدوروں کی حالت بہتر بنانے کے لئے کچھ نہیں بچ رہتا۔ اور بے روزگاری اور پس ماندگی سے معاشی بحران جلد جلد آنے لگتے ہیں۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کش مکش بڑھتی ہے۔

لینن نے سامراجی دور کے تجزیہ میں جن باتوں کی طرف توجہ دلوائی ہے ان میں ایک اور بات بڑی اہمیت رکھتی ہے سامراجی ملکوں کے بڑے اجارہ داری گروہ کے سرمایہ دار دوسرے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں منافع زیادہ کماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا کافی سرمایہ پس ماندہ مقبوضات میں لگا ہوتا ہے۔ اور یہاں کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ اجرت بہت کم ہے۔ ظالم حکمرانوں کے مظالم مزدور پیشہ

کو نہایت ناقابلِ بیان حالت میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں اور کچا مال بہت سستا ملتا ہے۔

ان سامراجی سرمایہ داروں کو اپنی مقبوضات کی وجہ سے جو زائد منافع ملتا ہے اس کا اثر مزدور تحریک پر بھی گہرا ہوتا ہے۔ مارکس نے انگلستان میں سرمایہ داری نظام کے متعلق لکھتے ہوئے ایک جگہ بتلایا ہے کہ انگلستان پہلا ملک ہے جس نے مشین کی بنی ہوئی چیزیں دنیا کے دوسرے حصوں میں پہنچائیں اور اس طرح اسے جو نفع ہوا تو اس سے اس نے مزدوروں کے سالہا سال کے مطالبات بھی کچھ سُنے اور بڑے ماہر مزدوروں کی کچھ اشک شوئی کی بلکہ بعض ماہر انجینئرنگ اور سوتی کپڑے کے مزدوروں کا معیار زندگی دوسرے ممالک کے مزدوروں سے کافی بڑھ گیا اور یہ طبقہ اپنے کو سرمایہ داروں اور ان کی مقبوضات کی لوٹ کھسوٹ سے وابستہ کرنے لگا۔ لینن نے تبلایا ہے کہ یہ صورت ہر اس سرمایہ دار ملک میں ہو جاتی ہے جب وہ سامراجی دور میں آجاتا ہے۔ اور مزدور جو خوش حال ہو جاتے ہیں (خاص طور سے اس گروہ کے لیڈر) وہ موقع پرست بن جاتے ہیں۔ اور موقع ملنے پر اپنے پورے طبقہ کی طرف سے مل مالکوں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور اپنے ساتھی مزدوروں کا جن کی بہت بڑی اکثریت تباہ حال ہوتی ہے کوئی خیال نہیں کرتے۔ جب سامراجی دور عروج پر پہنچنے لگا تو ان موقع پرست لیڈروں نے سامراجیوں سے اپنے کو اور زیادہ وابستہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ یہ چیز ۱۹۱۴ء کی جنگ میں بہت نمایاں ہو گئی اس لئے کہ تقریباً ہر ملک کے مزدور لیڈروں نے بجائے اس سامراجی جنگ کے خلاف محاذ بنانے کے مزدوروں کو سامراجی جوئے میں کسوا دیا۔

اس گروہ کی موقع پرستی اور حکمران طبقہ سے وابستگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس گروہ

نے طبقہ داری کشمکش کو ترک کر دیا۔ مارکسی نظریہ ترک کر دیا اور کمیونسٹ پارٹیوں کی مخالفت شروع کر دی۔ حالانکہ کمیونسٹ پارٹی طبقہ داری جنگ اور مارکسزم کی سب سے بڑی علم بردار ہے۔

سرمایہ داری کے سامراجی دور میں نوآبادیات اور محکوم ممالک کی جنگ آزادی بھی بڑی وسعت اور شدت اختیار کر لیتی ہے۔ سرمایہ دار ملک جب کسی پس ماندہ ملک پر قبضہ کرتا ہے اور یہ نظام وہاں داخل ہوتا ہے تو وہ اس ملک کا سارا نظام پیداوار درہم برہم کر دیتا ہے۔ لوگوں کو روزگار کے ذرائع سے محروم کر دیتا ہے انگریزوں کے ہندوستان میں آنے اور ملوں کا بنا ہوا کپڑا درآمد کرنے سے لاکھوں ہندوستانی جولاہے فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے۔ انہیں کھیتی باڑی پر مجبور ہونا پڑا اور زمین پر بوجھ بڑھ گیا سامراجی دور میں محکوم ممالک کے عوام پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ فوجوں اور سول انتظام پر اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ قرضہ بڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ٹیکس بڑھا دیئے جاتے ہیں جب معاشی بحران آتا ہے تو یہاں قیمتیں اور گر جاتی ہیں۔ لاکھوں آدمی بے روزگاری اور فاقہ کشی کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ اور کسانوں میں ہلچل شروع ہو جاتی ہے۔

شہروں میں مزدوروں کی حالت ناقابل بیان حد تک خراب ہوتی ہے۔ مزدور سبھاؤں کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ درمیانی طبقہ میں بھی بے روزگاری اور سامراجی پابندیوں سے بے اطمینانی پھیلتی ہے جتی کہ بڑھتے ہوئے ہندوستانی سرمایہ دار طبقہ تک کو رکاوٹوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور اس طرح آزادی کی ایک بڑی تحریک پروان چڑھنے لگتی ہے۔ یہ چیز ہر ملک میں پیش آتی ہے۔ صرف حالات کے لحاظ سے درجہ کا فرق ہوتا ہے۔

مارکسی یہ جانتے ہیں کہ یہ کشمکش سرمایہ دارانہ لوٹ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور یہ

اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جبکہ سامراجیوں کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اس لئے سامراجی ممالک کے بھی مزدور محکوم ممالک کے مزدوروں کے ساتھ اتحاد قائم کرتے ہیں تاکہ دونوں اپنے مشترکہ دشمن سامراجی سرمایہ داروں کا خاتمہ کر سکیں

سرمایہ داری کے سامراجی دنیا میں ایک طرف تنظیم انتہائی ترقی یافتہ اور مکمل ہو جاتی ہے، دوسری طرف سرمایہ داری کے اندرونی تضادات اور چھپے ہوئے پھوڑے بھی ابھر آتے ہیں۔ اس دور میں معاشی بحران اور جنگوں کے ساتھ حکمران طبقہ کے خلاف بغاوت بھی بڑی شدت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ کشمکش اسی وقت ختم ہو گی جبکہ محنت کش طبقہ ان سرمایہ دار حکمرانوں کا تختہ الٹ دے گا۔

موجودہ دور میں طبقہ داری کشمکش

۵

دوسرے باب میں طبقہ داری کشمکش کے عام نظریہ کا سرسری تذکرہ کیا گیا تھا۔ طبقہ داری کشمکش ایک ایسے طریقہ پیداوار سے پیدا ہوتی ہے جس میں سوسائٹی دو طبقوں میں بٹ جاتی ہے۔ جن میں سے ایک طبقہ (غلام رعیت ۔ مزدور) پیداوار میں عملی حصہ لیتا ہے اور دوسرا طبقہ (سردار جاگیردار سرمایہ دار) پیداوار میں کوئی حصہ نہیں لیتا لیکن دوسروں کی محنت کا ایک بڑا حصہ اس کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔ ان دو بڑے طبقوں کے علاوہ ہر دور میں چند دوسرے طبقے بھی ہوتے ہیں۔ کچھ تو پچھلے نظام کے باقیات ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے دیسی راجواڑے یا جیسے عہد وسطیٰ کے دستکار جو آگے چل کر سرمایہ دار بن گئے۔

طبقہ داری کش مکش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ترقی کرتا ہے اور پست تر ذریعہ پیداوار سے بلند ذریعہ پیداوار تک جاتا ہے۔ جب انقلاب کامیاب ہوتا ہے تو بلند تر طریقہ پیداوار پرانے طریقہ پیداوار کی جگہ لے لیتا ہے یا کم از کم پیداوار کے بڑے حصہ میں چھا جاتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں سرمایہ داری نظام کے قائم ہونے اور پھیلنے کے لئے کرامول کے انقلاب (۱۶۸۹) نے راستہ صاف کیا اور یہی کام فرانس کے لئے وہاں کے ۱۷۸۹ء کے انقلاب نے کیا۔

مارکس نے اپنے مطالعہ کو صرف طبقہ داری کشمکش کے مطالعہ تک محدود نہیں رکھا اس نے اپنے زمانہ کی طبقہ داری کشمکش کا نہایت گہرا مطالعہ کیا اور وہ قوانین معلوم کئے جو طبقہ داری جنگ میں کام کرتے ہیں۔

یہاں اس کشمکش کی ٹیکنیکل باریکیوں سے بحث نہیں ہے مارکس نے بتلایا کہ معاشرتی ترقی میں سمجھنے کی سب سے اہم چیز طبقہ داری قوتوں کا تجزیہ ہے جو کہ کسی انقلاب میں حصہ لیتی ہیں اور نئے طریقہ کا طریق پیداوار جنم کرتی ہیں۔ اس نے یہ تجزیہ اپنے اطراف کے حالات سے کیا تھا ۱۸۴۸ء میں یورپ کے اکثر ممالک میں انقلابی لہر اٹھ رہی تھی اور ان میں بہت ساری چیزیں مشترک تھیں۔

ان انقلابوں کی عام خصوصیات یا ان کا قانون کیا ہے؟

پہلی چیز تو یہ ہوتی ہے کہ انقلابی تحریک وہ طبقہ اٹھاتا ہے جو نئے طریقہ پیداوار کے قیام میں مدد کرتا ہے۔ اور جس میں اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن صرف یہی طبقہ حصہ نہیں لیتا۔ مثلاً ۱۷۸۹ء کے مشہور فرانسیسی انقلاب میں صرف ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ نے حصہ نہیں لیا بلکہ اس میں کاشتکار چھوٹے تاجر چھوٹے صناع اور دوسرے محنت کش بھی تھے جو آگے چل کر صنعتی مزدور بن گئے۔ ان تمام طبقات کے مفادات یکساں نہیں تھے لیکن سب کے سب یہ محسوس کرتے

سمجھتے کہ اگر پرانا نظام نہ ٹوٹ گیا تو ظلم و ستم کا دور ختم نہیں ہوگا اور نہ ان کی مصیبتیں ختم ہوں گی۔

یورپ کے دوسرے حصوں میں جب انقلاب آئے تو یہی صورت ہوئی ہر جگہ مطلق العنان بادشاہوں کا خاتمہ کر دیا گیا اور سرمایہ داری نظام کے لئے راستہ صاف کیا گیا۔ ہر ملک کے تقریباً تمام طبقے اپنے پرانے حکمرانوں کے خلاف متحد تھے۔ اور سرمایہ دار طبقہ ان کی رہبری کر رہا تھا لیکن بعد کے زمانہ میں خاص طور پر ان مقامات پر جہاں مزدور طبقہ پیدا ہو چکا اور بڑھ چکا تھا۔ یہ اتحاد مختلف شکلیں اختیار کر چکا تھا۔ محنت کش اپنے مفاد کے پیش نظر اس جدوجہد میں شریک ہوتے تھے اور اسی کشمکش کے دوران میں ہی وہ سرمایہ داروں سے مطالبات کرنے لگے تھے اور اس کو ماننے پر آمادہ نہیں تھے۔ ایسے مقامات پر جہاں مزدوروں نے مطالبہ کیا اور اس پر زور دیا تو سرمایہ داروں نے پرانی رجعت پسند قوتوں کو ان کے خلاف استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس قسم کے واقعات [illegible] جرمنی میں بھی ہوئے اور بعد میں فرانس کے ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے زمانے میں بھی پیش آئے۔

جون ۱۸۴۸ء میں فرانس کے مزدوروں نے اس کی کوشش کی کہ اپنی جدوجہد کے بعد انہوں نے جو حقوق حاصل کئے تھے۔ ان کی حفاظت کریں لیکن نئی سرمایہ دار حکومت نے جو فروری کے انقلاب میں قائم ہوئی تھی ان کی کوشش کو ناکام کر دیا۔ مارکس نے اسی زمانہ میں یہ چیز محسوس کی کہ فرانس کا مزدور طبقہ اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ آئندہ انقلاب میں وہ رہبری کرے گا سرمایہ داروں کے پیچھے نہیں چلے گا چنانچہ ۱۸۷۱ء میں ایسا واقعہ پیش آیا کہ مزدوروں نے انقلاب کر کے پیرس میں کمیون قائم کیا۔ مزدوروں کی حکومت قائم کی اور ایک ہفتہ

تک اس کی حفاظت کی۔ لیکن اس پہلی جدوجہد میں وہ تنہا نہیں تھے۔ انہوں نے ایسی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی جس پر بڑے زمیندار اور سرمایہ دار چھائے ہوئے تھے۔ اور جو فرانسیسی عوام کو لوٹ کر مالدار بن رہے تھے۔ اور ان محنت کش باغیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دوکاندار تھے جو اس نظام میں تباہ حال ہو رہے تھے۔ تمام طبقوں کے محبان وطن تھے جو اس بات سے خفا تھے کہ حکومت نے جرمنوں سے نہایت شرمناک شرائط پر صلح کر لی تھی۔ اس جدوجہد میں مزدوروں نے غلطی یہ کی کہ کسانوں کو اپنے ساتھ شریک نہ کر سکے۔

لیکن یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔ ہر حقیقی انقلاب جس کا مقصد حکمران طبقہ کا تختہ اُلٹنا ہوتا ہے۔ صرف اسی طبقہ کا انقلاب نہیں ہوتا جو کہ اس کی وجہ اقتدار میں آتا ہے۔ بلکہ ان سب طبقوں کا ہوتا ہے جو اس حکومت کے مظالم سے تنگ آ چکے ہوتے ہیں۔ ارتقاء کے ایک خاص درجہ تک جاگیرداری شاہی اور جاگیرداروں کے خلاف انقلاب کی رہبری سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن جب محنت کش طبقہ نے ترقی کر لی تو وہ خود اس قابل ہو گیا کہ اس میں حصہ لینے والے تمام طبقوں کی رہبری کرے۔ یا اسے یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انقلاب میں بہت سارے گروہ اور طبقے مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں۔ صرف نئی بات یہ ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف انقلاب میں محنت کش طبقہ رہبری کرتا ہے۔

ایسا انقلاب جس میں ایک طبقہ کی جگہ دوسرا طبقہ با اقتدار ہو جاتا ہے اور اس طبقہ کی مدد سے نیا پیداواری یا معاشی نظام آتا ہے تو اس سے طبقہ واری کشمکش ایک قدم اور آگے اور بلند تر درجہ پر پہنچ جاتی ہے اس لئے یہ کشمکش

سرمایہ دار ... کے ... ٹھیک ... جاتے ...

ہے ہی اس لئے کہ تمام طبقات کے مفادات مختلف ہوتے ہیں صنعتی سرمایہ داری کے ابتدائی دور میں یہ کشمکش کسی حد منتشر ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف کارخانوں میں الگ الگ اُجرت اور دوسری باتوں پر کشمکش رہتی ہے لیکن صنعتوں کے بڑھنے سے نہ صرف مزدوروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے بلکہ ایک صنعتی شہر میں وہ بہت بڑی تعداد میں ہو جاتے ہیں۔ ان کی قوت بڑھتی ہے۔ ساتھ ہی قوت کا احساس بھی بڑھتا ہے (مارکس کیمونسٹ مینی فسٹو ۱۸۴۸)

مزدور اپنی سبھائیں قائم کرتے ہیں اور ان کی تنظیم اور قوت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ان کی لڑائی بہت بڑے پیمانے پر جاری ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی امداد باہمی کی انجمنیں بنانے لگتے ہیں تاکہ انہیں مہاجنی آدمی سے نجات ملے اور جب وہ اور زیادہ ترقی کر لیتے ہیں تو پھر ان کی اپنی سیاسی جماعت بھی بن جاتی ہے جو ان کے مفادات کی لڑائی کو منظم کرتی ہے اور ان کی نمائندگی کرتی ہے۔

مارکس نے محنت کشوں کی اس سیاسی جماعت کے قیام کے متعلق کہا تھا۔ کہ یہ انقلاب کی تیاری ہے۔ اس کا پیش خیمہ ہے جس کی مدد سے سرمایہ دار حکمران طبقہ کا تختہ اُلٹا جا سکے گا اور ایک نیا نظام یعنی اشتراکی نظام قائم کیا جائے گا۔

اس تیاری میں اس کی ضرورت ہے کہ محنت کشوں کے تمام ادارے ترقی کریں۔ خاص طور سے مزدور سبھائیں اس سے مزدور طبقہ کی طاقت بڑھتی ہے اور انہیں اپنی طاقت کا احساس ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں کہیں مزدور اپنے فوری مطالبات مثلاً اُجرت۔ کام کے وقت وغیرہ کے لئے لڑ رہے ہوں۔ وہاں ان کی مدد کی جائے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی جدوجہد میں مزدوروں کو اکثر کامیابی ہوتی ہے۔ اور ان کے مطالبات بڑی حد تک پورے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے

ان کی تنظیم اور اتحاد بڑھتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جدوجہد میں مزدوروں کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ ان کا اپنا الگ ایک طبقہ ہے۔ سارے مزدوروں کے مفادات ایک ہیں۔ اور ان کے مفادات سرمایہ داروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ مزدوروں کی سیاسی جماعت اسے اس میں مدد دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ کس طرح۔ جبتک یہ سرمایہ داری نظام قائم ہے یہ کشمکش ختم نہیں ہو سکتی اور نہ معاشی بحران اور لوٹیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ ساری کشمکش اور مصیبتیں ختم ہو سکتی ہیں اگر یہ معاشی نظام ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ بہتر نظام قائم کیا جائے۔ لیکن بہتر نظام اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ سرمایہ دار طبقہ کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔

مارکس نے یہ بتلایا ہے کہ اس لوٹ کھسوٹ کے نظام کو ختم کرنے کے لئے سرمایہ دار طبقہ کا تختہ زبردستی اُلٹنا ہوگا۔ قوت استعمال کرنا کیا ضروری ہے؟

دوسرے باب میں انسانی تاریخ کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ سوسائٹی میں نیا طریقہ پیداوار اُسی وقت آتا ہے جب ایک نیا طبقہ اپنی قوت سے حکمران طبقہ کو شکست دے دیتا ہے اور اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسی تاریخ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ محنت کش طبقہ اس معاشی نظام اور طریقہ پیداوار کو اس وقت تک نہیں بدل سکتا جب تک حکمران طبقہ کو اپنے بازو کے زور سے معزول نہ کر دے۔ یہ تاریخی نتائج اور صحیح معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اگر ہم ان نتائج پر بھی غور کریں جو مارکس نے اسٹیٹ کے مطالعہ سے نکالے ہیں۔

سرمایہ دار ممالک میں جب اسٹیٹ کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً پارلیمنٹ کا خیال آتا ہے لیکن مارکس نے بتلایا ہے کہ سماج کے دوسرے اداروں کی

طرح اسٹیٹ نے بھی ارتقائی منزلیں طے کی ہیں۔ بلکہ موجودہ زمانے میں اسٹیٹ ایک ایسا ذریعہ یا واسطہ بن چکی ہے جس کی مدد سے حکمران طبقہ اپنی مرضی عام لوگوں پر مسلط کرتا ہے۔ ابتدائی صورت میں تو اسٹیٹ کا وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن جب انسانی سماج مختلف طبقوں میں بٹ گیا [illegible] طبقہ میں بٹ گیا، طبقاتی کشمکش بڑھ گئی اور امیر طبقہ کے لئے مشکل ہو گیا کہ اپنی دولت کی حفاظت کر سکے تو اس نے مسلح قوت رکھنی شروع کی جس سے اس کی دولت و ثروت کی حفاظت ہو سکے۔ اس قسم کی قوت موجودہ زمانے میں بھی ہے جو اس وقت کے نظام کی حفاظت کا کام کرتی اور حکمران طبقات کی پشت پر ہوتی تھی۔ اس میں صرف مسلح قوت شامل نہیں ہوتی ہے بلکہ جیل خانے [illegible] ہوتے ہیں۔ اس کو یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ قوت سماج سے بلند ہوتی ہے اور غیر جانبدار ہوتی ہے۔ لیکن امن و امان قائم رکھنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حکمران طبقہ کی حکمرانی کی حفاظت کی جائے۔ جب کوئی قوت موجودہ نظام کے خلاف سر اٹھاتی ہے۔ تو پولیس و فوج کی قوت اس کو کچلنے کیلئے سامنے آجاتی ہے۔ یہ تو روزمرہ کی بات ہوتی ہے کہ بغاوت کے الزام میں یا باغیانہ لٹریچر یا خیالات پھیلانے کی سزا میں سینکڑوں آدمی گرفتار ہوتے اور جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ بہت پرامن طریقہ سمجھا جاتا ہے لیکن جب تحریک شدت اختیار کر لیتی ہے۔ تو پولیس اور فوج نہتے عوام کے خون سے ہولی کھیلنے سے نہیں چوکتی۔ یہی قوت جو حکمران طبقہ کے مفاد کی حفاظت کرتی ہے۔ اصل میں اسٹیٹ ہے۔

کیا اس اسٹیٹ کی مشینری یعنی پارلیمنٹ یا اس ملک کے دوسرے نمائندہ ادارہ کا اثر و قبضہ ہوتا ہے؟ جب تک ان نمائندہ اداروں میں صرف حکمران طبقہ کا قبضہ رہتا ہے۔ تو یہ حکومت کے کل پرزے بھی اسی کے مفاد میں حرکت کرتے ہیں۔ لیکن اگر عوام غالب ہو جائے کہ ان نمائندہ اداروں میں عوام کے نمائندے زیادہ

آجائیں اور عوام کی بھلائی کے لئے کوئی کام کرنا چاہیں تو حکمران طبقہ سے فوراً ان کی ٹکر ہوتی ہے۔ اور یا تو یہ پارلیمنٹ یا نمائندہ ادارے توڑ دیئے جاتے ہیں یا حکمران طبقہ اپنی ڈکٹیٹرشپ قائم کر دیتا ہے۔ سوائے اس کے کہ حکمران طبقہ کا مخالف طبقہ بھی اس سے بڑھ کر قوت استعمال نہ کرے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً کرامویل کے زمانے میں نئی ابھرتی ہوئی قوت نے حاکم طبقہ کو صرف پارلیمنٹ میں شکست نہیں دی بلکہ اسے مسلح قوت بھی استعمال کرنی پڑی۔

مارکس کے سامنے یہ چیز واضح تھی کہ صرف سب کو ووٹ کا حق دینے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا ہے۔ صرف اسی طبقہ کے ہاتھ اقتدار رہتا ہے جس کا قبضہ ذرائع پیداوار و دولت پر ہوتا ہے۔ اسٹیٹ کی مشین پر اسی کا قبضہ رہتا ہے۔ خواہ پارلیمنٹ میں کچھ ہوتا ہے۔ نیا ابھرتا ہوا طبقہ اقتدار اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب وہ اپنے زور بازو سے کام لے۔

مارکس کے ان نتائج کی توثیق آج کے تاریخی حالات سے بھی ہوتی ہے۔ جرمنی میں حکمران طبقہ نے اپنی دیواروں کو گرتے دیکھا تو فاشزم کے روپ میں پارلیمنٹ وغیرہ کا خاتمہ کر دیا تمام عوامی تحریکوں اور مزدوروں اور کسانوں کی تنظیموں کو ختم کر دیا۔ فرانکو نے ایک ایسی حکومت کا تختہ الٹ دیا جو منتخب ہو کر آئی تھی۔ اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ داری سماج میں پارلیمنٹ اور منتخب اداروں کا قابو اسٹیٹ کی مشینری پر کتنا کم ہوتا ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حکمران طبقہ اسٹیٹ کے کل پرزوں اور خاص طور سے مسلح فوجوں پر اپنا اقتدار کس طرح قائم رکھتا ہے۔ حالانکہ قانون کے لحاظ سے تو یہ چیزیں پارلیمنٹ کے تحت ہوتی ہیں۔ اس کا جواب خود اسٹیٹ کی ساخت میں ملے گا۔ ہر ملک میں فوج کے مختلف شعبوں۔ عدالتوں۔ پولیس اور دوسرے

تمام انتظامی اداروں میں اعلیٰ خدمتوں پر یہی لوگ رکھے جاتے ہیں جن پر اس ملک کے حکمران طبقہ کو اعتماد ہو یا وہ خود اس طبقہ سے ہوں۔ تقرر اور ترقی کے وقت ان باتوں کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے جب تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوتی۔ اسٹیٹ کی یہ مشینری پارلیمنٹ سے بڑی حد تک آزاد رہ کر کام کرتی ہے اور ایسی صورت میں جب تک اسٹیٹ کے یہ کل پرزے اپنی جگہ قائم ہیں محض پارلیمنٹ کے رکن بدلنے سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں آسکتی۔ پیداوار کے ذرائع بدلنا اور بلند تر نظام پیداوار قائم کرنا تو دور کی بات ہے۔ لیکن سب چیزوں کے باوجود مارکس ان جمہوری اداروں کی ہمیشہ تائید کرتا تھا۔ اس لئے کہ طبقہ وری کشمکش کو آگے بڑھانے کیلئے ان کے ذریعہ وسیع میدان ہاتھ آتا ہے ان اداروں کے ذریعہ ایک طرف محنت کشوں کے حقوق کیلئے لڑا جاسکتا ہے حقوق حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ دوسری طرف مزدوروں کو آخری جنگ کے لئے تیار اور منظم کیا جاسکتا ہے۔ جمہوری اداروں کے لئے لڑائی بے مقصد نہیں ہے۔ یہ لڑائی پوری جنگ کا ایک حصہ ہے صرف اس کی مدد سے نیا نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فاشزم نے ہر قسم کے جمہوری ادارے کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اس کے ذریعہ اس کی مخالفت بڑھتی اور تقویت پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مارکس نے ہمیشہ اور ہر جگہ جمہوری اداروں کے لئے لڑائی کی تائید کی ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جبتک نوکر شاہی یا سرمایہ داری کا راج قائم ہے جمہوری ادارے نہ پائیدار ہو سکتے ہیں اور نہ مؤثر بن سکتے ہیں یہ صرف اسی وقت پائدار اور مؤثر ہو سکتے ہیں جبکہ سرمایہ داری کا تختہ الٹ کے اس کی مشینری کا خاتمہ کیا جائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ صرف سرمایہ داری کا تختہ الٹنا اور اس کے حکومتی کل پرزوں کو تباہ کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ محنت کش

کونسلیں بنائی گئی تھیں اور ان کے نمائندوں کو مزدوروں نے منتخب کیا تھا۔ پورے انقلاب کی تیاری اور تنظیم ان ہی کونسلوں کے سپرد تھی۔ ۱۹۱۷ء میں جب روسی انقلاب ترقی کرنے لگا، تو اس قسم کی سوویٹیں جگہ جگہ قائم کی گئی تھیں۔ لینن نے اپنے تجربہ سے یہ بات محسوس کی کہ چونکہ پیرس کمیون کے بعد مزدور طبقہ میں کافی شعور ترقی ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ سوویٹیں جو انقلاب کی تنظیم کے لئے قائم ہوئی تھیں جن میں شروع میں صرف کارخانوں کے مزدوروں کے نمائندے تھے اور بعد میں فوجی سپاہی اور کسان بھی شریک ہو گئے تھے۔ نئی مزدور حکومتوں کی شکل اختیار کر سکتی تھیں۔ یہ نمائندے مزدوروں نے منتخب کئے تھے اور انہیں اختیار تھا کہ وہ جب چاہتے انہیں ہٹا دیتے اور دوسرے منتخب کر لیتے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان اداروں میں سرمایہ داروں کو کوئی اثر کام نہیں دے سکتا تھا اور یہ مزدوروں کے حقیقی مفادات محفوظ تھے اور تجربہ اسی کو پیش نظر رکھ کر منظور ہوتی تھی۔ ساتھ ہی یہ ذہن مزدور طبقہ کی ڈکٹیٹر شپ ہی انجام دے سکتی تھی جو کہ اپنی قوت سے سرمایہ داروں کی تمام سازشوں کا مقابلہ کرتی اور انہیں ختم کرتی۔

محنت کش طبقہ کی ڈکٹیٹر شپ ہی اصل جمہوریت ہوتی ہے اور اس کے متعلق مارکس نے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں کہا ہے "گذشتہ زمانہ کی تمام تاریخی تحریکیں اقلیتوں کی تحریکیں تھیں، یا اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کیلئے چلائی گئی تھیں۔ مزدوروں کی تحریک ایک بڑی اکثریت کی تحریک ہے جو اپنے مفاد کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے" اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ مارکس کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ محنت کشوں کے انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ہی طبقہ داری کشمکش ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کشمکش کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اور اب پہلی مرتبہ محنت کش طبقہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ حکومت کی مشینری کو بھی اپنے مفاد میں استعمال

کرے۔ لینن نے جنوری ۱۹۱۸ء میں سوشلسٹوں کی ایک کانگریس کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا تھا اس نے کہا تھا کہ ایک دفعہ گاڑی میں سفر کر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ اسی ڈبہ میں چند لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ ان میں سے ایک آدمی نے پلٹ کر لینن سے کہا "سنا تم نے یہ بوڑھی عورت کیسی عجیب بات کہہ رہی ہے؟ وہ کہتی ہے اب کسی بندوق والے آدمی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ایک دن میں جنگل میں لکڑیاں جمع کر رہی تھی وہاں مجھے ایک بندوق والا آدمی ملا۔ بجائے اس کے کہ وہ میری لکڑیاں چھین لیتا۔ اس نے مجھے اور جمع کر کے دیں" اب قوت اور حکومت کی مشینری محنت کشوں کے خلاف استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کی مدد کرتی تھی۔ وہ ان ہی کے خلاف استعمال ہوتی تھی جو محنت کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی کرتے ہیں۔

ایسے لوگ جو مزدوروں کے مفاد کے دشمن ہوتے ہیں۔ انقلاب کے بعد بھی باقی رہتے ہیں پرانے حکمران طبقہ کے بچے کچھے لوگ۔ بیرونی ممالک کے سرمایہ داروں کی مدد سے فوجیں تیار کرتے ہیں اور مزدوروں کی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۱۸۷۱ء میں پیرس میں مزدوروں کی حکومت کو اسی طرح شکست دی گئی تھی۔ جرمنوں نے ہزاروں فرانسیسی فوجی قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ تاکہ وہ مزدوروں کی حکومت کے خلاف فرانس کی رجعت پسند حکومت کی مدد کریں۔ ان فوجوں نے مزدوروں کو شکست دی اور ان ہزاروں آدمیوں کو قتل کر دیا جنہوں نے مزدوروں کی حکومت کی تائید کی تھی ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک روس کی سوشلسٹ حکومت کو نہ صرف زار کے حمایتیوں کی فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑا بلکہ انگلستان، فرانس امریکہ، پولینڈ اور دوسرے ممالک کی حملہ آور فوجوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ مارکس نے جو نتیجہ نکالا تھا تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بات گذشتہ تجربوں

سے بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ محنت کش طبقہ کو انقلاب کے بعد بھی بڑے زمانہ تک اسٹیٹ کی مشینری کو قائم رکھنا ہوگا تاکہ بیرونی حملہ آوروں سے ملک کی حفاظت کی جا سکے اور اشتراکی اصولوں پر اندرونی تعمیر کے لئے اندرونی دشمنوں سے نجات حاصل ہو سکے۔

سوشلزم اور کمیونزم سے مارکس کا کیا مطلب تھا یہ آئندہ ابواب میں آئے گا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم طبقہ داری کشمکش کا ذکر ختم کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کشمکش کے آخری نتیجہ کے متعلق مارکس کا نقطہ نظر کیا تھا جب انسانی سماج مختلف طبقوں میں بٹ گئی اور ان طبقوں کے معاشی مفادات آپس میں ٹکرانے لگے۔ تو اسی کے ساتھ طبقہ داری کشمکش بڑھی اور حکمران طبقہ نے اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے اسٹیٹ کی مشینری قائم کی۔ اس لئے طبقہ داری کشمکش اور اسٹیٹ دونوں کا وجود سوسائٹی میں اس وقت تک رہیگا۔ جب تک انسانی سوسائٹی مختلف طبقوں میں بٹی رہیگی لیکن جب محنت کش طبقہ کو اقتدار ملتا ہے تو وہ طبقہ داری تفریق ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی محنت کو ہضم نہ کر سکے۔ یعنی ایک ایسی سوسائٹی قائم کرتا ہے جس میں کوئی طبقہ نہ ہو اور سب مل کر سوسائٹی کی اور اپنی خدمت کریں جب یہ دور مکمل ہو جائے گا ساری دنیا سے طبقہ داری کشمکش ختم ہو جائے گی اور تمام انسانوں کے مفادات ایک ہو جائیں گے تو پھر اسٹیٹ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اور آہستہ آہستہ زندگی کے ہر شعبہ سے اسٹیٹ کی مشینری ختم ہو جائے گی۔ صرف ایک ایسی تنظیم رہ جائے گی جو کہ پیداوار اور رسد کی تقسیم کا بندوبست کرے گی۔

اشتراکی سماج

(۶)

مارکس کی تحریروں میں کہیں بھی اس نظام کی تفصیل نہیں ملتی جو سرمایہ دارانہ نظام کے بعد آئے گا۔ مارکس نے کسی خیالی دنیا کی تصویر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی جیسے اکثر لوگ کیا کرتے ہیں بلکہ اس نے سماج کے ارتقاء کے قوانین کا مطالعہ کرکے اس نئے نظام کے خدوخال پیش کئے ہیں

مارکس نے جو سب سے اہم بات بتائی وہ یہ ہے کہ اشتراکی سوسائٹی بالکل یکایک نہیں قائم ہو جائے گی کہ بس سرمایہ دارانہ نظام کو ہٹایا اور اس کی جگہ اشتراکی سوسائٹی رکھ دی جس میں تمام اچھی باتیں آ جائیں اور خراب باتیں نکال دی گئی ہوں۔ یہ بہت غیر سائنٹیفک بات ہوگی۔ بلکہ اس نے بتلایا کہ اس کے برعکس پچھلی سوسائٹیوں کی طرح اشتراکی سوسائٹی بھی ان ہی بنیادوں پر قائم ہوگی جیسی سوسائٹی اس سے پہلے تھی یعنی اشتراکی سوسائٹی سرمایہ دار سوسائٹی سے پیدا ہوگی۔ اس لئے اس کی معاشی اخلاقی اور معاشرتی زندگی پر بھی سرمایہ دارانہ سماج کی چھاپ باقی رہے گی۔

اصل میں سرمایہ داری سماج کا اندرونی ارتقا ہی اشتراکی سماج کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ اندرونی ہی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ پچھلا سماج ہوتا ہے۔ خود سرمایہ داری سماج میں آہستہ آہستہ پیداوار مشترکہ ہونے لگتی ہے اس لئے کہ چیزوں کے بنانے کے کارخانے بڑے بڑے بننے لگتے ہیں اس لئے ایک چیز کی تیاری میں ایک آدمی نہیں بلکہ کئی آدمی حصہ لینے لگتے ہیں۔ اور اب ہر شخص کا انحصار دوسرے پر بڑھ جاتا ہے۔ جاگیرداری سماج میں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں باہمی بہت قریبی ربط

رونہ تعلق رہتا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے اس کو توڑ دیا لیکن سرمایہ دارانہ سماج نے ایک نیا تعلق قائم کر دیا جو زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہوتا ہے اور سوسائٹی میں ذرا سی بھی گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے۔

اگرچہ باہمی تعاون کا یہ رجحان سرمایہ دارانہ سماج میں بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن سوسائٹی کے اتنے سارے لوگ جو ایک دوسرے کی مدد سے چیزیں تیار کرتے ہیں وہ ان ذرائع کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ کسی ایک فرد یا ایک چھوٹے سے گروہ کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس لئے اشتراکی سماج قائم کرنے میں پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سوسائٹی جو چیزیں بنائے یا پیدا کرے وہ اسی کو ملنی چاہئیں۔ اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار بدل دیے جائیں مثلاً کارخانے، کانیں، مشینری، بنک، ذرائع حمل و نقل وغیرہ سب کے سب چند لوگوں کی ملکیت نہیں رہنے چاہئیں بلکہ ان پر پوری سوسائٹی کی ملکیت قائم ہونی چاہئے لیکن ذرائع پیداوار و دولت پر مشترکہ ملکیت ان ہی باتوں کی اساس پر قائم ہوتی ہے جو باتیں گزشتہ سماج سے ورثہ میں ملی ہیں مثلاً جب اشتراکی سماج قائم کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے بڑے بڑے صنعتی اداروں پر مشترکہ ملکیت قائم کی جاتی ہے اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے مشترکہ بنیادوں پر ہوتی ہے صرف منافع چند سرمایہ داروں کو ملتا ہے۔ اس کا سارا کام مزدور اور چند ماہر کرتے ہیں اور اس کی ملکیت میں تبدیلی کر دی جائے تو اس کے کام پر کوئی اثر نہیں پڑتا چھوٹے کارخانوں کی صورت میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ خصوصاً وہاں جہاں خود مالک پیداوار میں کافی بڑا حصہ لیتا ہے۔ جہاں بہت سارے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہوں ان کو چلانے میں شروع شروع میں ایک مزدور حکومت کو بڑی زحمت ہوگی۔ ضروری یہ ہوگا کہ انہیں امداد باہمی کی اساس پر لے آئیں۔ بجائے شخصی ملکیت کے یہ امداد باہمی کے اداروں کے تحت آ جائیں۔ لیکن اس کے

لئے جبر نہیں کیا جا سکتا بلکہ مالکوں کو راضی کرنا ہوگا اور اس کے لیئے کافی وقت اور محنت درکار ہوگی

چنانچہ جب مزدور جماعت انقلاب کے بعد اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے اور انقلاب دشمن قوتوں کی طاقت ختم کر دیتی ہے۔ تو وہ سب سے پہلے بڑے بڑے صنعتی ادارے مثلاً بنک۔ ریلیں وغیرہ اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ تمام ادارے اور تجارت ایک دم اپنے ہاتھ میں نہیں لیتی اور اس طرح ہر شخص کو انقلاب کے بعد ہی سوشلزم قبول کرنے پر ایک دم مجبور نہیں کرتی۔ اس انقلاب کے بعد ایک دم اشتراکی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے کافی دن لگتے ہیں جب کہ پوری معاشی زندگی اشتراکی اساس پر آجاتی ہے۔

سوشلزم کی سب سے پہلی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ذرائع پیداوار دولت پر سے خانگی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ تمام کارخانوں۔ ریلوں وغیرہ پر پوری سوسائٹی کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اور پیداوار ساری سوسائٹی کے مفاد کے لئے ہوتی ہے۔ خانگی ملکیت کے ختم ہونے سے وہ رکاوٹ دور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پیداوار ایک حد سے زیادہ نہیں بڑھنے پاتی اس کے بعد پیداوار کا خاکہ بنایا جاتا ہے اب پیداوار لوگوں کی ضرورت کی پابند ہو جاتی ہے۔ پیداوار کے بڑھنے سے خوشحالی بڑھتی ہے۔ خوش حالی سے قوت خرید بڑھتی اور قوت خرید بڑھنے سے پیداوار بڑھتی ہے۔ اور اس طرح پیداوار کے بڑھنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ پیداوار کا اضافہ صرف پسماندہ ملکوں میں ضروری ہے جیسا کہ ۱۹۱۷ء میں روس تھا۔ مارکس کے ذہن میں ترقی یافتہ صنعتی ممالک تھے جبکہ اس نے لکھا تھا کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد مزدور طبقہ اپنی ساری سیاسی قوت

اس پر صرف ہوا کرے گا کہ پیداواری ذرائع میں جلد سے جلد اضافہ ہو۔ اگرچہ مارکس کے انتقال کے بعد سے انگلستان کے پیداواری ذرائع میں کافی اضافہ ہوا۔ مگر یہ اضافہ اس سے بہت کم ہوتا ہے جتنا کہ موجود سائنٹیفک اور ٹیکنیکل ترقیوں کی صورت میں ہونا چاہیئے تھا۔ سرمایہ داری نظام کی وجہ سے معاشی بحران آتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پیداوار بڑھنے نہیں پاتی انگلستان اس عرصہ میں ترقی نہ کر سکا اس لئے کہ اس نظام میں پیداوار بازار کے لئے ہوتی ہے اور بازار محدود ہوتا ہے اس لئے پیداوار بھی ایک حد کے بعد بڑھنے نہیں پاتی۔ ساتھ ہی اجارہ دار سرمایہ دار تمام نئی ایجادیں خرید لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں ان کا استعمال نہ بڑھے۔ پیداوار میں چونکہ خاکہ بندی نہیں ہوتی۔ اس لئے پیداوار میں اضافہ کسی سسٹم کے مطابق نہیں ہو پاتا زراعت بہت پسماندہ حالت میں رکھی جاتی ہے۔ تمام ذرائع سرمایہ دار ممالک کی آپس کی لڑائی اور مقبوضات اور نوآبادیوں کے لوگوں کو غلام رکھنے میں صرف ہوتی ہے۔ طبقہ داری جنگ میں بہت ساری انسانی ذہنی اور جسمانی قوت ضائع ہو جاتی ہے۔ سرمایہ داری نظام کی وجہ سے لاکھوں آدمی بے روزگار رہتے ہیں۔

اس لئے اشتراکی سماج کی بنیاد رکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کارخانے دکانیں، بجلی اسٹیشن اور ریلیں وغیرہ نہ صرف قومی ملکیت ہوں بلکہ ان کی نئے سرے سے تنظیم کی جائے اور پیداوار میں مسلسل اضافہ ہو پیداوار کے بڑھانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا معیار زندگی بڑھے۔

بعض مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر انگلستان میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ سب میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے تو اس سے مزدوروں کے معیار زندگی میں کوئی ایسا فرق نہیں آ جائے گا۔ اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے۔ اگرچہ ایسا نہیں

ہے، تب بھی اس کو مارکس کے سوشلزم کے تصور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مارکس جانتا تھا کہ اشتراکی نظام میں پیداوار اس قدر بڑھ جائے گی کہ جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ سوویٹ روس میں اشتراکی نظام کے ۴۰ سالوں میں پیداوار میں آٹھ گنا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زار شاہی روس بہت پسماندہ تھا۔ اگر انگلستان یا کسی دوسرے ملک میں اشتراکی نظام قائم ہو جائے تو پیداوار اسی طرح بڑھے گی۔ پیداوار کے اضافہ سے معیار زندگی بڑھتا ہے اور اسی کی بنا پر ذہنی اور کلچرل معیار بڑھایا جا سکتا ہے لیکن تمام ترقی کے لئے پیداوار میں خاکہ بندی کی ضرورت ہے۔ سرمایہ دار ملک میں کسی صنعت کا کارخانہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب اس میں منافع کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ زیادہ منافع کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس چیز کی مانگ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مانگ چھوٹے سے بہت امیر طبقہ کی ہو۔ یا کسی غیر معمولی سبب مثلاً جنگ وغیرہ کی وجہ سے عارضی طور پر کسی چیز کی قیمت بڑھ جائے۔

سوشلسٹ سوسائٹی میں جہاں پیداوار منافع کی پابند نہیں ہوتی۔ وہاں پیداوار کی خاکہ بندی کی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ جب بنیادی صنعتیں قومی ملکیت بن گئیں اور دوسری صنعتوں پر بھی کسی قدر کنٹرول کر دیا گیا تو پیداوار کا ایک خاکہ بنایا جا سکتا ہے جس سے ہر چیز اتنی ہی بنائی جاتی ہے جتنی اس کی ضرورت ہو اور چونکہ معیار زندگی مسلسل بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے پیداوار بھی اسی تیزی سے بڑھتی جاتی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مارکس کے نزدیک معاشی زندگی میں سوشلزم کے آنے سے اور ذرائع پیداوار اور دولت (کارخانے، کانیں وغیرہ) قومی ملکیت بن جانے سے پیداوار میں تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔ پیداوار ایک ہنگامی

تحت ہوتی ہے۔ اور اسی خاکہ بندی کی وجہ سے اشتراکی سماج میں پیداوار کبھی ضرورت سے نہیں بڑھتی۔ اس لئے کبھی معاشی بحران نہیں آتا اور معیار زندگی ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔

پیداوار کا جو خاکہ اشتراکی حکومت بناتی ہے۔ اور اس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک تو ذرائع پیداوار و دولت مثلاً عمارتیں مشینیں۔ کچا مال وغیرہ اور دوسرے استعمال کی چیزیں مثلاً غذا کپڑے تعلیم صحت۔ تفریح اور کھیل کا سامان وغیرہ ان کے علاوہ ملک کی حفاظت کے متعلق مسائل بھی اسی خاکہ میں آجاتے ہیں۔

اس خاکہ کے تحت پیداوار ضرورت سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ استعمال کی چیزیں جتنی بنتی ہیں وہ لوگوں کے استعمال میں آجاتی ہیں یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جس قیمت کی استعمالی چیزیں بنتی ہیں اسی قدر تمام کام کرنے والوں کو اجرت اور الاؤنس وغیرہ کی شکل میں دے دی جاتی ہے۔ اور اگر خاکہ کے مطابق کام کرنے میں کچھ غلطیاں ہوں مثلاً ایک سال سائیکلیں اتنی بن جائیں جو ضرورت سے زیادہ ہوں تو دوسرے سال سائیکلیں کم بنا کر اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے اور سائیکلوں کی جگہ اس سال دوسری چیزیں جن کی پہلے سال کی پیداوار کمی تھی بنائی جا سکتی ہیں۔ اس طرح مجموعی پیداوار کم نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ مختلف چیزوں کی پیداوار میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ پیداوار میں نئے طریقوں کے استعمال سے آمدنی بڑھتی ہے جس سے اجرت زیادہ ملتی ہے۔ اجرت بڑھنے سے خوشحالی بڑھتی ہے اور ساتھ ہی استعمال کی چیزوں کی مانگ بڑھتی ہے اور مانگ کے ساتھ پیداوار بڑھتی ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس طرح پیداوار خاکہ بندی کے تحت ہوتی ہے اسی طرح تقسیم بھی ایک خاکہ کے تحت ہوتی ہے۔

اشتراکی سماج کی معاشی زندگی میں قیمت کا جو تصور ہوتا ہے۔ اس کے متعلق عام طور پر غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ سرمایہ داری سماج میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے چیزوں کی طلب اور رسد کا پتہ چلتا ہے۔ قیمتیں بڑھتی ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے ان کی رسد بہت کم ہے۔ قیمتیں گھٹتی ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ رسد زیادہ ہے۔ یعنی قیمتیں پیداوار کو گھٹاتی بڑھاتی ہیں۔ اشتراکی سوسائٹی میں قیمتیں چیزوں کے استعمال کا تعین کرتی ہیں۔ یہاں قیمتیں ایسی مقرر کی جاتی ہیں۔ کہ جو چیزیں بنیں وہ سب کی سب استعمال ہو جائیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیداوار لوگوں میں کس طرح تقسیم ہونی چاہئے؟ عام طور پر یہ غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ مارکس کے اصول کے مطابق پیداوار سب میں مساوی تقسیم ہونی چاہئے۔ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ اشتراکی سماج کی بالکل نئی بنیادوں پر تعمیر نہیں ہوتی بلکہ پچھلے سرمایہ داری نظام کی بنیادوں پر اس کی عمارت کھڑی ہوتی ہے سب کو مساوی حصہ دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ جن کا معیار زندگی پہلے اوسط سے زیادہ تھا انہیں سزا دی جائے۔ اس کے معنی یہ ہونگے کہ ماہر مزدور جو سوسائٹی کی ترقی میں غیر ماہر مزدور سے زیادہ کام کرتا ہے گھاٹے میں رہے۔ سرمایہ داری نظام نے لوگوں کو غیر مساوی حالات میں چھوڑا ہے اور یہاں مساوی تقسیم ناانصافی ہوگی۔ مارکس نے اس مسئلہ پر بہت صاف لفظوں میں لکھا ہے "حقوق بجائے مساوی ہونے کے غیر مساوی ہونے چاہئیں۔ انصاف کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سوسائٹی کی معاشی حالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان کلچرل چیزوں کو بھلا دیا جائے جو اس معاشی حالت سے پیدا ہوتی ہیں؟

سرمایہ داری سماج سے جو نظام ورثہ میں ملتا ہے اس میں لوگ مساوی نہیں ہوتے اور اس لئے اشتراکی سوسائٹی میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سوسائٹی کی جو جس

قدر خدمت کرے اس قدر اسے معاوضہ ملے اور جو کام نہ کرے اسے کھانے کو بھی نہ ملے۔ اس لئے اس اشتراکی سماج میں یہ اصول برتا جاتا ہے "ہر شخص اپنی صلاحیت کے لحاظ سے کام کرے اور کام کے لحاظ سے اسے معاوضہ دیا جائے"۔

اشتراکی سوسائٹی اسی معیار پر ہمیشہ نہیں رہتی جو معیار اسے سرمایہ داری نظام سے ورثہ میں ملتا ہے۔ اس نظام میں نہ صرف ہر سال پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ لوگوں کی ٹیکنیکل صلاحیتیں بھی بڑھتی ہیں اور معاشرتی معیار بھی بلند ہوتا جاتا ہے اور چونکہ جن میں ٹیکنیکل صلاحیتیں زیادہ ہوتی ہیں انہیں زندگی کی راحتیں بھی زیادہ میسر آتی ہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنا معیار بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس معیار کے بلند ہونے سے پیداوار بڑھتی ہے اور پیداوار کے بڑھنے سے سب کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے اس طرح اس اشتراکی سماج میں عدم مساوات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پورے سماج کا معیار بڑھنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ داری سماج میں اس سے چند سرمایہ داروں کے پاس دولت اکٹھی ہوتی ہے اور باقی اکثریت غریب ہو جاتی ہے۔

کیا مارکس کا خیال تھا کہ عدم مساوات آئندہ سوسائٹی میں ہمیشہ باقی رہے گی؟ نہیں بلکہ ایک عرصہ بعد یہ سماج اس قدر ترقی کر جائے گا۔ کہ پھر لوگوں کو ان کے کام کے مطابق معاوضہ دینے کی ضرورت نہ رہے گی۔

جس نظام میں پیداوار کام کے لحاظ سے تقسیم کی جائے گی تو اس کے معنی ظاہر ہے کہ یہ ہوں گے کہ وہاں پیداوار ابھی اتنی نہیں ہے کہ ہر شخص کو چیزیں اس کی ضرورت کے لحاظ سے مل سکیں۔ سرمایہ داری نظام میں جب ایک خاندان کو اتنی روٹی مل جاتی ہے کہ ہر شخص کی ضروریات کے لئے کافی ہو تو پھر یہ نہیں ہوتا کہ اس خاندان کے ہر فرد میں روٹیاں مساوی تعداد میں تقسیم کر دی جائیں۔

ہر شخص اتنی کھا لیتا ہے جتنی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اشتراکی سوسائٹی میں آگے چل کر پیداوار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ہر شخص کو اتنی چیزیں مل سکتی ہیں جتنی اسے ضرورت ہو اور کسی کو کوئی چیز کم نہ پڑے تو پھر ایسی صورت میں اس کی ضرورت نہیں باقی رہتی کہ چیزوں کی تقسیم میں کوئی پابندی رکھی جائے اور جب پیداوار کا نظام اس صورت پر پہنچ جاتا ہے تو ہر شخص کام اپنی صلاحیت کے لحاظ سے کرتا ہے اور تقسیم ہر شخص کی ضروریات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔"

مارکس نے اس دور کو جبکہ تمام ذرائع پیداوار پر مشترکہ ملکیت ہو جاتی ہے اور ہر شخص صلاحیت کے لحاظ سے کام کرتا ہے اور تقسیم کام کے لحاظ سے ہوتی ہے اشتراکی یا سوشلسٹ نظام کہا ہے اور اس نظام کو جس میں ہر شخص اپنی صلاحیت کے لحاظ سے کام کرتا ہے اور تقسیم ضروریات کے لحاظ سے ہوتی ہے کمیونسٹ سوسائٹی یا کمیونسٹ نظام کہا ہے۔

کمیونزم کے دور میں صرف مادی ترقی عروج پر نہیں پہنچتی بلکہ اخلاقی، سماجی اور روحانی ترقی بھی معراج پر پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت سے جبکہ محنت کش طبقہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اشتراکی سماج قائم کرنا شروع کرتا ہے انسانی نقطہ نظر میں زبردست تبدیلی شروع ہو جاتی ہے۔ تمام قسم کی پابندیاں جو انسانوں کا دم گھونٹے ڈالتی تھیں ایک کے بعد ایک ڈھیلی ہوتی اور ٹوٹتی جاتی ہیں۔ ہر بچہ کے لئے خواہ اس کے والدین کی آمدنی کچھ بھی ہو، تعلیم و تربیت کے یکساں اور وسیع مواقع کھل جاتے ہیں۔ تمام بچے اپنے ہاتھ اور ساتھ ہی اپنا دماغ استعمال کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ ہر شخص ذہنی کام کرنے لگتا ہے اور "ذہنی کام کرنے والے اور جسمانی کام کرنے والے" کی تفریق باقی نہیں

رہتی۔

عورتوں کو سوسائٹی میں حقیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ انہیں سوسائٹی کے ہر کام کا اہل سمجھا جاتا ہے اس کا خاص طور سے انتظام کیا جاتا ہے کہ ان کو کام کا بار نہ محسوس ہو۔ کارخانوں اور رہائشوں وغیرہ میں بالک گھر قائم کئے جاتے ہیں۔ جہاں عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ سکتی ہیں اور خود اپنے کام میں اور تفریح میں حصہ لے سکتی ہیں اس کا انتظام کیا جاتا ہے کہ گھریلو کام سے انہیں نجات مل جائے۔ اس کے لئے ایک ہی عمارت میں رہنے والوں کا کھانا ایک ہی جگہ پکتا ہے۔ کپڑے دھونے کے لئے بڑے بڑے ادارے ہوتے ہیں۔ عورتوں کو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا لیکن انہیں کام کی سہولتیں پہنچائی جاتی ہیں۔

اس نظام میں قومی منافرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ قومی تعصب کی دیواریں ڈھا دی جاتی ہیں۔ قوم۔ نسل۔ رنگ۔ ذات۔ پات کی تمام تفریقیں مٹ جاتی ہیں۔ اور ہر انسان برابر کے درجہ کا سمجھا جاتا ہے۔ ہر قومی گروہ کے لئے اس کا موقع پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی معاشی زندگی اور ساتھ ہی اپنی زبان اور کلچر کو بھی ترقی دے اشتراکی نظام میں جمہوریت صرف اس کا نام نہیں ہے کہ ہر پانچ سال کے بعد ایک نمائندہ پارلیمنٹ کے لئے منتخب کر لیا۔ ہر کارخانے۔ ہر مکان۔ ہر کھیت غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر ادارے میں اسی شعبہ اور ادارے کے لوگ اپنی اور ملک کی قسمت آپ بناتے ہیں۔ ہر چیز کا انتظام خود وہیں کے لوگ کرتے ہیں۔ ایسی مکمل جمہوریت کا دنیا کے کسی حصہ میں بھی وجود نہیں ہے

شہر اور دیہات کا فرق بالکل مٹ جاتا ہے۔ دیہات کے مزدور بھی مشینوں کا استعمال سیکھ جاتے ہیں اور ان کی ٹیکنیکل صلاحیتیں بھی شہری مزدوروں کے برابر ہو جاتی ہیں تعلیم و تربیت اور دوسری کلچرل سرگرمیوں کی آسانیاں پہلے صرف شہروں

ہیں یا میسر تھیں اب ہر دیہات میں حاصل ہونے لگتی ہیں۔

مختصر یہ کہ اشتراکی نظام میں جب مادی زندگی میں تغیر آتا ہے تو ہر مرد اور عورت کی ذہنی صلاحیتیں بھی ترقی کرنے لگتی ہیں۔ ہر قسم کی تعلیم عام ہو جاتی ہے زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ ذوق پیدا اثر دکھلاتا ہے۔ اور یہ لوگ ہر قسم کے کام کر سکتے ہیں۔

سرمایہ داری نظام میں جو ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ہر شخص خود پرست بن جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی ذات کے لئے سوچتا ہے۔ اس نظام میں اجتماعی زندگی فروغ پاتی ہے انسان پورے سماج کی بھلائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔ سماج کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے جیسا کہ مارکس نے لکھا ہے "اس نظام میں محنت نہ صرف زندہ رہنے کا ایک ذریعہ ہے بلکہ وہ زندگی کی ایک لازمی ضرورت ہے" جب کمیونسٹ سوسائٹی کا دور آ جائے گا تو انسان کا نقطہ نظر اس قدر بدل چکا ہو گا کہ اسے کام کرنے کیلئے کسی ترغیب کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ انسان کی یہ فطرت بن جائیگی کہ وہ سوسائٹی کی ترقی کیلئے اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرے۔

کیا یہ ہوائی قلعہ ہے؟ یہ باتیں ہوائی ان ہی لوگوں کو معلوم ہونگی جو مارکسزم کی مادی بنیادوں کو جن کا ذکر دوسرے باب میں ہو چکا ہے نہ سمجھ سکیں یا سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ انسان کا نقطہ نظر یا خصلت کوئی ہمیشہ سے یکساں نہیں رہی ہے اور نہ رہتی ہے ابتدائی سماج میں جبکہ انسان قبیلوں میں رہتا تھا قبیلہ کی وفاداری کو بڑی اہمیت حاصل تھی کبھی کوئی شخص قبیلہ کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ کرتا تو سخت سزا ملتی۔ سوسائٹی جب طبقوں میں بٹ گئی۔ تو پھر قبیلہ کے مفاد کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ لیکن اپنے طبقہ سے وفاداری برابر باقی رہی سرمایہ داری سماج نے سوشیل ذمہ داری پر کاری ضرب لگائی "اس نظام میں زندگی کا اصول یہ بن جاتا ہے کہ ہر انسان اپنی ذات کے لئے جیتا ہے"

سرمایہ داری نظام کے اندر بھی مزدور طبقہ میں باہمی اتحاد، مشترکہ مفاد اور مشترکہ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ اتحاد اور رفاقت کا یہ احساس مزدور طبقہ کے دماغ میں کسی نئے باہر سے لا کر نہیں ٹھونسا ہے بلکہ یہ خیال اس کے ذہن میں زندگی کے عملی تجربہ سے پیدا ہوا ہے۔ انہیں ایک ہی قسم کے حالات میں کام کرنا ہوتا ہے۔ ایک ہی طرح زندگی گذارنی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ دار کو ہر جگہ دوسرے سرمایہ داروں سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور وہ ہر جگہ اپنی بقاء کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خود غرضی اور اپنے ذاتی مفاد سے محبت بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ہر طبقہ کی زندگی کا نقطہ نظر اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح کی اس کی اپنی مادی زندگی ہوتی ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی ذہنیت اور نقطہ نظر بدل سکتا ہے اگر ان کی مادی زندگی میں تبدیلی پیدا کر دی جائے اس طریقہ میں تبدیلی پیدا کر دی جائے جس سے وہ روزی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے لئے سوویٹ یونین کے کسانوں سے بہتر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ جس شخص نے بھی زار شاہی روس کے کسانوں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے ان کی خود پرستی، خود غرضی اور ذاتی مفاد پہ ہر چیز کو قربان کرنے کے جذبہ کا ضرور ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں ان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ انقلاب کے نقاد یہ کہا کرتے تھے کہ کسانوں کو اشتراکی نظام کے تحت کبھی نہیں لایا جا سکتا۔ بلکہ ان کی وجہ سے انقلاب ناکام ہو جائے گا۔ اور حقیقت بھی یہ تھی کہ صدیوں سے ان کسانوں کی زندگی ایسی خود غرضی کی رہی تھی کہ انہیں جبر سے یا بحث سے اشتراکی نظام کا حامی بنانا ناممکن تھا۔ لیکن یہ نقاد چونکہ مارکسی نہیں تھے۔ اس لئے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک نمونہ کا اجتماعی کھیت قائم ہو جائے۔ ایک ٹریکٹر اسٹیشن قائم ہو جائے۔ مشینوں سے کاشت ہونے لگے تو

کاشتکار خود یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اجتماعی طریقہ ہی سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ مشین اور نئے طریقہ کا حامی بننے لگتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اسکی خودغرضانہ ذہنیت ختم ہونے لگتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ مشترکہ کاشت کا حامی بننے لگتا ہے اور اس طرح ایک نئی ذہنیت پیدا ہونے لگتی ہے جس میں انفرادی مفاد کی جگہ مشترکہ مفاد کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح جب کسی ملک کی پیداوار اور تقسیم کے نظام کی بنیاد یا مادی زندگی کی بنیاد اشتراکی ہو یا لوگ جس طرح اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ وہ ذریعہ ایسا ہو کہ سب کو مشترکہ طور پر کام کرنا پڑے تو معاشرتی ذمہ داری کا احساس قدرتی طور پر ترقی پاتا ہے۔ لوگوں کو یہ بات منوانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ معاشرتی اصول صحیح ہے۔ یہاں اخلاقی اصول کا واسطہ دے کر انسانی فطرت کی قدرتی خواہشات کو مارنے یا بدلنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت بدل جائے۔

اب تک ہم نے اس بات پر غور نہیں کیا ہے کہ ساری دنیا میں اشتراکی یا کمیونسٹ نظام قائم ہو جائے تو اس کے کیا نتائج ہوں گے۔ جب ساری دنیا میں اشتراکی نظام قائم ہو جائے گا اور پیداوار اور تقسیم اشتراکی بنیادوں پر ہو تو کسی ملک میں ایسا گروہ باقی نہیں رہے گا کہ وہ دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کی فکر کرے اور اس طرح، مارکس کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے دنیا سے جنگ و جدل کا خاتمہ ہو جائیگا ایک سرمایہ دار ملک مقابلتہً پس ماندہ ملک پر اس لئے قبضہ کرتا ہے تاکہ سرمایہ داری نظام کو وسعت دے۔ اور اپنے ملک کے بڑے سرمایہ داروں کیلئے موقع پیدا کرے تاکہ وہ اپنا مال بیچیں اور اپنا سرمایہ وہاں لگا کر اس ملک کو لوٹ سکیں لیکن ایک ترقی یافتہ اشتراکی ملک کا کسی دوسرے مقابلتہً کم ترقی یافتہ ملک پر حملہ کرنا بالکل

مضحکہ خیز ہوگا اس لئے کہ حملہ کیلئے بڑے سازوسامان کی ضرورت ہوگی۔ اور اس کے لئے پورے سماج کا معیار زندگی گھٹانا ہوگا۔ اور ایسا کرنا کوئی پسند نہیں کریگا اس لئے یہاں کوئی اخلاق کا سوال نہیں ہے۔ کوئی اشتراکی ملک دوسرے ملک پر حملہ اس لئے نہیں کرے گا کہ اس کے کسی طبقہ کو اس سے فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ نقصان ہوگا۔

ان ہی وجوہات کی بناء پر کوئی اشتراکی ملک یہ نہیں چاہے گا کہ دوسرا ملک مادی یا اخلاقی نقطۂ نظر سے پیچھے رہے۔ اس لئے کہ دوسرے ملکوں میں خوش حالی بڑھے گی کلچر بڑھے گا اس سے اسے بھی فائدہ ہوگا۔ اس کی بھی کلچرل زندگی میں ترقی ہوگی۔ اس لئے زیادہ ترقی یافتہ اشتراکی ملک ہمیشہ اس کی کوشش کرینگے کہ پس ماندہ ملک جلد سے جلد ترقی کریں اور اس کیلئے ان کی مدد کریں گے۔

اس طرح جب ساری دنیا میں اشتراکی نظام قائم ہوجائیگا۔ اس وقت انسان ترقی کی کن بلندیوں پر پہنچ جائیگا۔ آج اس کا تصور ناممکن ہے۔ جب ہر ملک کی معاشی زندگی ایک خاکے کے مطابق ہوگی اور ساری دنیا کے لئے ایسا خاکہ ہوگا جس سے تمام ممالک آپس میں تعاون کرسکیں گے۔ تمام دنیا میں جو بھی ایجادیں اور سائنٹفک ترقیاں ہونگی۔ ان سے ہر ملک فائدہ اٹھاسکیگا۔ ہر ملک دوسرے ملک کی کلچرل ترقیوں سے فائدہ اٹھا سکیگا تو انسان ایک ایسے بلند مقام پر پہنچ جائیگا جسکی تصویر بھی آج اپنے ذہن میں قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان کی یہ ترقیاں کہاں تک جائیں گی؟ مارکس نے بھی اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کرنیکی کوشش نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ ان حالات میں کسی سائنٹفک پیشین گوئی کا امکان نہیں تھا۔ لیکن ایک بات بالکل صاف تھی کہ ساری دنیا میں کمیونزم کے قیام سے طبقہ واری جنگ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ

ختم ہو جائے گا اور آئندہ کسی قسم کی کوئی طبقہ واری تقسیم پیدا نہ ہو سکیگی۔ ایک ایسے زمانہ میں جبکہ انسان کی پیداواری صلاحیتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ انسان کو روزانہ اپنی روزی کیلئے دو چار گھنٹہ سے زیادہ کام نہ کرنا ہوگا اور اس کا باقی وقت دوسری کلچرل اور معاشرتی سرگرمیوں میں بسر ہو سکیگا۔ کوئی طبقہ واری تقسیم پیدا ہونیکی ضرورت ہی نہ رہیگی اور نہ ہوگی۔ اس کے بعد انسان کی ساری جدوجہد نیچر پر قابو پانے پر لگ جائیگی۔ اور پھر بس یہی جنگ رہ جائے گی قوانین جیتنے کے بھی مواقع بڑھ جائیں گے۔ اب انسان کو نیچر پر قابو پانے۔ وباؤں، طغیانیوں۔ موسم کی خرابیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے دعاؤں اور جنتروں کا سہارا نہیں لینا ہوگا بلکہ وہ اپنی قوت کے بھروسہ پر نیچر کو اپنا غلام بناتا جائے گا۔ آئندہ نیچر کا غلام نہیں رہے گا۔ یہ ہے وہ تصویر جو مارکس نے کمیونسٹ سوسائٹی کے متعلق پیش کی ہے

نیچر کا مارکسی نقطہ نظر

(۷)

یہ بات اس سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ مارکسزم انسان کو اس لیے انسانی سوسائٹی کو بھی نیچر کا ایک جزو سمجھتی ہے۔ انسان اس دنیا میں کس طرح آیا اس کا پتہ بھی دنیا کے ارتقا سے چل سکتا ہے۔ سائنس نے یہ بات ثابت کی ہے کہ دنیا میں ایک زمانہ میں بے جان مادہ تھی اس سے جاندار مادہ پیدا ہوا اور پھر اس کے ارتقاء کے دوران میں حیوان اور نباتات پیدا ہوئے۔ آگے چلکر ان میں شعور اور سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی حیوانوں کے ارتقاء کی آخری کڑی انسان ہے یعنی اس کے معنی یہ ہوئے کہ شعور سے پہلے مادہ موجود تھا۔ مادہ پہلے پیدا ہوا اس میں شعور

بعد میں آیا۔ اور ساتھ ہی اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ ایک حقیقی شے ہے اور اس کا وجود شعور سے آزاد رہ کر ہوتا ہے۔ شعور مادہ کو نہیں پیدا کرتا بلکہ مادہ کے ارتقاء کے ایک خاص دور میں اس میں شعور پیدا ہوتا ہے۔ نیچر کے اس نقطۂ نظر کو "مادیت" کہا جاتا ہے۔

اس کے برخلاف نیچر کے متعلق ایک اور نقطۂ نظر ہے جس کی رُو سے ہماری خارجی دنیا یا ہمارے اطراف کے درخت پہاڑ۔ انسان حیوان وغیرہ حقیقی نہیں ہیں بلکہ ان کا وجود صرف ہمارے ذہن میں ہے۔ یا کسی بلند تر قوت کے ذہن میں ہے اس نقطۂ نظر کو "تصوریت" کہتے ہیں۔ تصوریت کی کئی قسمیں ہیں لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ ذہن خواہ وہ انسانی ہو یا کسی اعلیٰ تر قوت کا وہ اصل حقیقت ہے۔ اور مادہ حقیقت نہیں ہے بلکہ صرف خیال ہے اور اگر حقیقت ہے بھی تو اسے ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

ایک مارکسی کا نقطۂ نظر یہ ہوتا ہے کہ حقیقی دنیا وہی ہے جو حقیقت میں موجود ہے ہماری خارجی دنیا ایک حقیقی چیز ہے خیالی نہیں ہے۔ وہ ہمارے ذہن اور خیال سے آزاد ہو کر اپنا وجود رکھتی ہے۔ ہمیں اس کا شعور ہو یا نہ ہو وہ موجود ہے۔ اسکی حرکت اور اس کا ارتقاء چند خاص قوانین کے پابند ہیں۔ انسان ان قوانین کو اپنے علم سے معلوم کر سکتا ہے۔ اور انہیں اپنی ضروریات کے لئے استعمال کر سکتا ہے لیکن کوئی ذہن اس کائنات کو اپنے قوانین سے ہٹا نہیں سکتا ہے۔ اور نہ قوانین کو بدل سکتا ہے۔

اس کے برعکس "تصوریت" (Idealism) کے فلسفہ پر عقیدہ رکھنے والے چونکہ مادہ کو یا خارجی دنیا کو ایک ثانوی حقیقت سمجھتے ہیں۔ اسلئے ان کا خیال ہے کہ ہم اس حقیقت کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ اس کائنات کو ایک "پُراسرار"

چیز سمجھتے ہیں جس کی کوئی کھوج نہیں لگا سکتا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادیت و تصوریت کے ان عقائد کی بحث کی یہاں کیا ضرورت ہے؟ یہاں اس لئے ضرورت ہے ان کی مدد سے ہم کائنات کے اندر کام کرنے والی قوتوں کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس سے پھر عملی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسان اپنی خارجی دنیا کا صرف تماشہ نہیں کرتا بلکہ وہ اسے بدلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ساتھ خود بھی بدلتا ہے

دوسرے "مادیت" کا تصور یہ بھی بتلاتا ہے کہ خارجی حقیقت ہی ہے جس کا شعور انسان کے ذہن میں ہوتا ہے ہمیں اپنے اطراف درخت، آدمی مکان وغیرہ نظر آتے ہیں اور یہی اصل حقیقت ہیں۔ ہمارے خیالات دراصل عکس ہیں۔ ہماری خارجی دنیا کا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام خیالات صحیح ہوتے ہیں یا سب کے سب اصل حقیقتوں کے عکس ہوتے ہیں ہمیں اپنے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

ایک تصوریت کے فلسفہ کا پیرو اس کے برعکس چند قوانین پر اندھا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ کبھی بدل نہیں سکتے وہ ان عقیدوں کو حقائق اور تجربہ کی کسوٹی پر کبھی پرکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً ۱۹۳۸ء کے زمانہ کی سیاسی حالت کو دیکھیں تو اس زمانہ میں ایک گروہ تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جنگ کسی صورت میں نہیں ہونی چاہئے خواہ کوئی حالت بھی پیدا ہو جائے۔ وہ اس حقیقت کو بھلا بیٹھا تھا کہ نازشستی قوت ایک حقیقت تھی۔ وہ دنیا کو غلام بنانا چاہتی تھی اور ہم صرف اپنی خواہش اور عدم تشدد کا اظہار کرکے اسے نہیں روک سکتے تھے بلکہ ہمارا تجربہ یہ بتلاتا تھا کہ قوت کا مقابلہ عدم تشدد سے کرنے سے وہ قوت زیادہ طاقتور بننا چاہتی ہے اور زیادہ جنگی ہو جاتی ہے۔ ایک مادیت کے فلسفہ کا حامی

اس کا مقابلہ قوت سے کرے گا۔ امن پسندی پر ایک مطلق عقیدہ نہیں ہو سکتے ہیں جن کا عقیدہ تصوریت کے فلسفہ پر ہوتا ہے خواہ ان لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ کس فلسفہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

مارکسزم اپنے تمام نظریوں کی بنیاد دنیا کے مادی تصور پر رکھتی ہے اور اسی نقطۂ نظر سے وہ ساری دنیا کا جائزہ لیتی ہے۔ وہ ان قوانین کو معلوم کرتی ہے جو اس کائنات میں کام کرتے ہیں اور چونکہ انسان بھی اس کائنات کا ایک جزء ہے اس لئے ان قوانین سے یہ معلوم کرتی ہے کہ انسانی سماج کس طرح بدل رہا ہے اور آئندہ کس طرح بدلے گا۔ سماج کے مطالعہ سے نئے قوانین دریافت کئے جاتے ہیں۔ ان نتائج کو تجربات کی کسوٹی پر جو ٹھیک اترتے ہیں وہ قانون ٹھیک سمجھے جاتے ہیں جو نہیں اترتے ان میں ترمیم کی جاتی ہے۔ اور پھر تجربات کی کسوٹی پر انہیں پرکھا جاتا ہے۔

مارکسی عالم اور پیرو تمام کائنات (معہ انسانی سماج کے) کا مطالعہ اسی سائنس کے طریقہ پر کرتے ہیں۔ اور تجربات کی مدد سے حقایق تک پہنچتے ہیں۔ یہاں یہ نہیں ہوتا کہ کسی "ہوشیار اور قابل" شخص نے کمرے میں بیٹھ کر چند اصول ایجاد کر لئے اور اسے سب نے بلا چون و چرا مان لیا۔ دنیا کے متعلق جو مارکسی نظریہ ہے اسے "جدلی مادیت" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں یہ کوئی پُراسرار چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو انسانوں کو نہ صرف حقائق کا علم دیتی ہے بلکہ اس علم کو حاصل کرنے اور اس کی سچائی کو پرکھنے کا طریقہ بھی بتلاتی ہے۔

اس فلسفہ کی وجہ سے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات (جس میں انسانی سماج بھی شامل ہے) مختلف علیحدہ اور آزاد چیزوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ کائنات کی تمام چیزیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ سائنسدان اس

بات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ مختلف چیزوں کا اثر کس طرح ایک دوسرے پر پڑتا ہے مثلاً پانی پانی ہے لیکن اگر اسے حرارت پہنچائی جائے تو ایک درجہ ایسا آجاتا ہے جبکہ وہ بھاپ بن جاتا ہے۔ اگر اس کی حرارت کم کی جائے تو ایک درجہ ایسا آتا ہے جبکہ وہ برف بن جاتا ہے پھر اس تبدیلی میں ہوا کے دباؤ کا بھی اثر پڑتا ہے۔ یعنی ایک ہی چیز مختلف حالات میں مختلف خواص کا اظہار کرتی ہے غرض کہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اگر وہ چیزوں کا مطالعہ کرے تو کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی جس کا کائنات سے ہٹ کر اپنا کوئی وجود ہو۔ ہر چیز کا اثر دوسری چیز پر پڑتا ہے

چیزوں کا ایک دوسرے پر انحصار غالباً اتنی نمایاں چیز ہے کہ اس طرف توجہ دلوانا بے موقع معلوم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ لوگ عام طور پر اس کو نظر انداز کر جاتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ جو بات ایک خاص حالات میں صحیح ہو وہ اس سے مختلف حالات میں غلط ثابت ہو مثلاً آزادی تقریر کو لیجئے عام طور سے یہ جمہوریت کی ترقی میں مدد کرتی ہے۔ زائد سے زائد لوگوں کو اس کا موقع ملتا ہے کہ ملک کے حالات پر اپنی رائے دیں اور اس طرح آزادی تقریر سے سماج کے ارتقاء میں مدد ملتی ہے لیکن اگر یہ آزادی فاشسٹوں کو دی جائے تو وہ سماج کیلئے نقصان دہ ثابت ہو گی۔ اس لئے کہ فاشسٹ جمہوریت کے سخت دشمن ہوتے ہیں اسے ختم کر کے سماج کی ترقی اور سماج کے ارتقاء کو روکنا چاہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ہی چیز چند حالات میں اچھی ہوتی ہے اور وہی چیز چند خاص حالات میں نقصان دہ ہوتی ہے۔

مادی جدلیت کا طریقہ اس کے علاوہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز جامد و ساکن نہیں ہے۔ ہر چیز متحرک ہے تبدیل ہو رہی ہے۔ پیدا ہو رہی اور بڑھ رہی ہے اور مر رہی ہے۔ تمام سائنٹفک علوم اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہ ہماری نسل تبدیل ہو رہی ہے۔ زندہ چیزوں میں یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح

ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب کسی چیز کا سائنٹفک مطالعہ کیا جاتا ہے تو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ہر وقت اس میں تبدیلی ہو رہی ہے۔ یہ چیز نہ ہمیشہ ایسی ہے اور نہ رہے گی۔

یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اسے ہر شخص دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ پھر اس کی یہاں وضاحت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اکثر لوگ جب عملی زندگی میں کسی چیز کا خاص طور پر سوسائٹی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس حقیقت کو ہمیشہ بھلا دیتے ہیں۔ مثلاً بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ آج کل چیزیں منافع کے لئے بنائی جاتی ہیں اور یہ طریقہ انسانی سماج میں ہمیشہ سے ہے۔ ایسے لوگ "اس تبدیلی کے قانون" کو اس عملی زندگی میں استعمال نہیں کرتے ورنہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ خاص حالات میں پیدا ہوا، بڑھا اور اب فنا کے راستہ پر ہے۔

اس سلسلہ میں ایک نکتہ اور بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جبکہ ہر چیز پیدا ہوتی، بڑھتی، زوال پذیر ہوتی اور فنا ہو جاتی ہے تو کسی چیز کا مطالعہ کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ ان میں سے کن مدارج سے گذر رہی ہے وہ پیدا ہو رہی، بڑھ رہی ہے یا فنا ہو رہی ہے ایک کسان جب گائے خریدتا ہے یا ایک مالدار آدمی جب مکان خریدتا ہے تو اس چیز کو پیش نظر رکھتا ہے لیکن عجیب بدقسمتی ہے کہ جب سماج کے مختلف اداروں اور خاص طور پر ذرائع پیدا وار پر غور کرتے ہیں تو یہ چیز بھلا دی جاتی ہے

"جدلی مادیت" نے کائنات کی جو دو خصوصیتیں بتلائی ہیں اور جن کا ذکر اوپر آیا ہے، وہ دونوں ہر شخص روزانہ اپنے تجربہ سے دیکھ سکتا ہے۔ تیسری خصوصیت تجربہ میں اتنی نہیں آتی ہے لیکن اس کی صحت کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

تیسری اہم چیز یہ ہے کہ کائنات میں جو تبدیلی یا ارتقاء ہوتا ہے وہ سیدھا سادہ اور یکساں نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مقامات پر یہ تسلسل یکایک ٹوٹ جاتا ہے یہ تسلسل ایک خاص عرصہ تک رہتا ہے۔ ارتقاء کے اس دور میں تبدیلی صرف اتنی ہی ہوتی ہے کہ ایک ہی قسم کی خاصیت بڑھتی جاتی ہے۔ اسے مثال سے زیادہ آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک برتن میں پانی لیکر اسے گرم کرنا شروع کریں تو کافی عرصہ تک وہ پانی پانی ہی رہتا ہے لیکن اس کی تپش بڑھتی جاتی ہے اسی طرح اگر پانی کو ٹھنڈا کریں تو ایک عرصہ تک وہ پانی ہی رہتا ہے۔ لیکن اس کی تپش بدلتی جاتی ہے۔ اور وہ ٹھنڈا ہوتا جاتا ہے

اس دوران میں جبکہ ہم پانی گرم کرتے ہیں ایک نقطہ ایسا آتا ہے کہ تبدیلی کا تسلسل فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور پانی یکایک بھاپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب اسے ٹھنڈا کرتے ہیں تو اس تبدیلی کے دوران میں ایک نقطہ ایسا آتا ہے کہ پانی یکایک ٹھوس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح دونوں صورتوں میں پانی کی خاصیت یکایک بدل جاتی ہے۔ اب وہ پانی نہیں رہتا بلکہ بھاپ یا برف بن جاتا ہے۔ یہ حقیقت کیمیا کے تجربوں میں اکثر نظر آتی ہے۔

یہی صورت انسانی سماج کی ہوتی ہے اس میں کافی عرصہ تک آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن سماج کی ساخت میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پھر یکایک یہ تسلسل ٹوٹتا ہے اور انقلاب آتا ہے۔ پرانے قسم کا سماج تباہ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ نئے قسم کا سماج آتا ہے اور ارتقاء کے قوانین کے مطابق بڑھتا جاتا ہے۔ مثلاً جاگیرداری سماج کو لیں تو اس میں لوگ چیزیں ذاتی استعمال کے لئے بناتے تھے جب آہستہ آہستہ چیزیں ضرورت سے زیادہ

بننے لگیں تو ان کا تبادلہ شروع ہوا۔ تجارت شروع ہوئی اور پھر چیزیں تجارت کے لئے بنائی جانے لگیں۔ اور اس طرح ایک سرمایہ دار طبقہ پیدا ہوا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور اس میں ایک نقطہ ایسا آ گیا کہ بڑھتے ہوئے سرمایہ داری طبقہ کی جاگیرداری نظام سے ٹکر ہو گئی۔ جاگیردار طبقہ کا تختہ الٹ دیا گیا اور ایک نیا طبقہ پیدا ہوا یعنی سرمایہ داری طبقہ پیدا ہوا اور اس کی جگہ داخل ہو گیا۔ سرمایہ دار سماج نے جاگیرداری سماج کی جگہ لے لی اور سماج کی ترقی کی رفتار میں بڑی تیزی پیدا ہو گئی۔

جدلی مادیت کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ یہ بتلاتی ہے کہ اس ارتقاء کا اصل سبب کیا ہے۔ یہ ارتقاء سوسائٹی کا ہو یا ساری کائنات کا۔ چیزوں کا جدلی مادیت کے طریقہ سے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارتقا ایک ہی نوعیت کا اور سادہ نہیں ہوتا ہے۔ ہر چیز کا ایک مثبت اور ایک منفی پہلو ہوتا ہے۔ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بڑھتا ہوا ہوتا ہے اور دوسرا جو مٹتا ہوا اور ختم ہوتا ہوا۔ پہلا ہمیشہ بڑھنا اور پھیلنا چاہتا ہے اور دوسرا اسے روکتا ہے۔ ان دو متضاد رجحانوں کی ٹکر کا نتیجہ یہ ہے کہ ارتقاء عمل میں آتا ہے۔ ایک پہلو رکاوٹوں پر قابو پا کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ دوسرا پہلو اس کو بڑھنے سے روکتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یکایک تیزی سے یہ تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس چیز کی سب سے اچھی مثال ہمیں انسانی سوسائٹی میں ملتی ہے۔ سوائے بالکل ابتدائی دور کو چھوڑ کر تاریخ کے ہر دور میں ہمیں مختلف طبقے ملتے ہیں جس میں سے ایک طبقہ بڑھتا ہوا ہوتا ہے اور دوسرا مرتا ہوا۔ مثلاً جاگیرداری نظام کو لے لیں تو اس میں سرمایہ دار طبقہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے یہ طبقہ بڑھتا ہے اس کی ٹکر جاگیردار طبقہ سے بڑھتی جاتی ہے۔ جاگیردار طبقہ مرتا جاتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہی حال سرمایہ دار سماج کا ہے اس میں مزدور طبقہ پیدا ہوتا ہے جیسے جیسے مزدور طبقہ بڑھتا جاتا ہے سرمایہ دار اور مزدور

کی کشمکش بڑھتی جاتی ہے۔ سرمایہ داری کی اندرونی کشمکش یا اس تضاد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس نظام کا تسلسل ایک موقع پر آکر ٹوٹ جاتا ہے۔ جسے انقلاب کا نام دیا جاتا ہے جدلی مادیت کے تحت جو یہ تمام تصورات قائم کئے جاتے ہیں۔ اب انہیں ہم ایک جگہ کر سکتے ہیں۔ اس فلسفہ کی رو سے حقیقت ہمارے شعور سے بے نیاز ہوتی ہے۔ حقیقت اپنا ایک آزاد وجود رکھتی ہے۔ یہ حقیقت علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں بٹی نہیں رہتی بلکہ کائنات کے سارے مظاہر ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ کائنات ساکن نہیں ہے بلکہ اس کا ہر مظہر متحرک ہے۔ پیدا ہوتا اور مرتا ہے۔ اس ارتقاء میں ایک نقطہ تک تسلسل ہوتا ہے اس کے بعد یکایک یہ تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ایک نئی چیز پیدا ہوتی ہے۔ یہ ارتقاء اندرونی تضاد اور اندرونی کشمکش کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب تسلسل یکایک ٹوٹتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھرتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے جزو کو مرتے ہوئے جزو پہ کامیابی ہو گئی۔

مارکسزم کا کائنات اور اس سوسائٹی کے متعلق جو نظریہ ہے اسی سے دوسرے فلسفوں سے اس کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ جدلی مادیت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حقائق سے بلند و بالا ہو یا کوئی ایسا فلسفہ ہے جسے کسی نے ایجاد کیا ہو۔ جس سے دنیا کے ہر واقعہ کی توضیح کھینچ تان کر کے کی جائے۔ مارکسی فلسفہ کا دعویٰ ہے کہ یہ کائنات کی سب سے زیادہ مکمل اور صحیح تصویر پیش کرتا ہے

سائنس کی نئی نئی ایجادات مارکسی فلسفہ اور نقطہ نظر کی صحت کی تائید کرتی ہیں سائنسدان جو نیچر کا مطالعہ جدلی مادیت کے نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نئے نئے حقائق ان کے سامنے آتے ہیں۔ اسکی وجہ سے آج وہ ایسی چیزوں کی توضیح کر سکتے ہیں جو ایک زمانہ میں ناقابل حل معلوم ہوتی تھیں۔ انسانی

سوسائٹی کے ارتقاد کے اس دور میں مادی جدلیت" کا نقطہ نظر بہت زیادہ اہمیت حاصل کر گیا ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ مادی نقطہ نظر کے یہ معنی ہیں کہ مادہ یا ہماری خارجی دنیا کو اولیت حاصل ہے اور ذہن کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ذہن بغیر مادے کے وجود نہیں رکھتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا جسم اور اس کی حفاظت کے طریقے پہلے وجود میں آتے ہیں وہ خیالات جو انسان اپنی زندگی اور اپنے رہنے سہنے کے متعلق قائم کرتا ہے وہ بعد میں آتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عمل اصول یا نظریہ سے پہلے آتا ہے۔ انسان نے رہنا سہنا اس سے پہلے سیکھ لیا جب سے اس کے متعلق اس کے ذہن میں خیالات قائم ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی جب اس کے ذہن میں خیالات قائم ہونے لگے تو وہ اسے عملی شکل دینے لگا اس طرح عمل اور نظریہ ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ یہ صورت صرف ابتدائی سوسائٹی میں نہیں رہی بلکہ ہر دور میں یہی ہوتا رہا عملی طریقے جن سے انسان اپنی روزی حاصل کرتا ہے نہ ہی اس کے خیالات کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسی پر سیاسی خیالات کی بھی بنیاد ہوتی ہے سیاسی ادارے اس لئے قائم کئے جاتے ہیں کہ پیداواری نظام کی حفاظت کی جائے سیاسی اصول ہوائی نہیں ہوتے بلکہ ہر دور کے ادارے اور اصول و خیالات اس دور کی عملی زندگی کا عکس ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی اپنا الگ وجود یا تاریخ نہیں ہوتی ایک خیال سے دوسرا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ تبدیلی اسی وقت آتی ہے جبکہ مادی زندگی میں اور ذرائع پیداوار میں تبدیلی آتی ہے تو پرانے رسم و رواج بدل جاتے ہیں ان کی جگہ بالکل نئے رسم و رواج آتے ہیں اور اس کی وجہ سے نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں

نئے مادی حالات کے ساتھ پرانے ادارے اور پرانے خیالات بالکل ختم نہیں

ہو جاتے بلکہ کچھ باقی رہتے ہیں۔ مثلاً جاگیرداری نظام میں بادشاہوں اور امراء کی بڑی عزت کی جاتی تھی اور آج انگلستان کے سرمایہ داری نظام میں بھی اس کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ داری سماج میں کچھ خیالات ایسے بھی بن گئے جو ہیں تو پرانے مگر ان میں ترمیم ہو گئی ہے مثلاً مالدار کی اس دور میں بھی عزت کی جاتی ہے لیکن جاگیرداری نظام کی طرح خاندانی امیر ہونا ضروری نہیں اس کے علاوہ اس دور میں اشتراکی خیالات بھی ملتے ہیں اس لئے کہ سرمایہ داری دور میں پیداوار بڑی حد تک مشترکہ بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ایک ایک کارخانے میں ہزاروں آدمی مل کر کام کرتے ہیں۔ ان تینوں قسم کے خیالات آج سوسائٹی میں رائج ہیں اور تینوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ رہے گا اور ہر زمانہ کے لئے صحیح ثابت ہو گا۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مارکسزم ان تینوں خیالوں کو غیر حقیقی سمجھتی ہے بلکہ مارکسزم یہ جانتی ہے کہ جاگیرداری نظام کی باقیات اب گذری ہوئی بات ہے سرمایہ داری خیالات تنزل میں ہیں اور اشتراکی خیالات پھل پھول رہے ہیں بلکہ اب ایک حقیقت بن چکے ہیں اس لئے کہ نومبر ۱۹۱۷ء سے (روسی انقلاب کے بعد سے) اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ انہیں حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے۔ اور یہ ثابت کیا جا سکے یہ حقائق پر پورے اترتے ہیں۔ اشتراکیت کے بنیادی تصور کہ پیداوار کی موجودہ مشنری منافع کی بجائے لوگوں کا استعمال کی بنیاد پر منظم کیا جا سکتا ہے۔ تجربہ سے بھی صحیح ثابت ہو چکا ہے۔ تجربے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام میں عام لوگوں کا معیار زندگی مسلسل بڑھتا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ سائنٹفک نقطہ نظر سے سماج کا تجزیہ کر کے مارکس اور ان کے پیروں نے جو نتائج نکالے تھے وہ سب آج تجربہ سے صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔

روسی کمیونسٹ پارٹی نے مارکسی اصولوں پر عمل کر کے محنت کشوں کو منظم کیا پرانے نظام کا تختہ الٹ اور ایک نیا نظام قائم کیا اس کے بعد سے روسی باشندوں نے (جس کی اکثریت غیر مارکسی تھی) تجربہ سے ان اصولوں کی سچائی کو محسوس کیا اور انہیں اپنا لیا۔ اس سلسلہ میں بیدار اور منظم اشتراکی نوجوان نظری اور عملی طریقوں سے لوگوں کو اس نئے نظام کی طرف لاتے رہے اور بڑی تیزی سے سارے ملک کا نقطہ نظر بدل گیا۔

مارکسی جب کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو نہ صرف حال کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حال کا تعلق ماضی سے کیا رہا ہے اور مستقبل کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے اس کی مدد سے اپنے عمل کا تعین کرتے ہیں اور صحیح راستہ پر ہمیشہ پہنچ جاتے ہیں۔

عمل کا راستہ

(۸)

مارکس نے اپنی ابتدائی کتابوں میں ایک جگہ لکھا ہے "فلسفی اب تک دنیا کی توجیہہ مختلف انداز سے کرتے آئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اسے کس طرح بدلا جائے" مارکس کے نزدیک دنیا کا جو تصور تھا اس میں اس نکتہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ مارکسزم کوئی محض علمی سائنس نہیں ہے بلکہ دنیا کو بدلنے کا ایک حربہ ہے۔

یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ سرمایہ داری سماج مر رہا ہے اور اس کی جگہ اشتراکی سماج لیگا۔ بلکہ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ محض معاشی تبدیلی سے خودبخود نیا نظام نہیں آجائیگا جس طرح پانی حرارت پہنچانے سے خود بخود بھاپ بن جاتا ہے۔ بلکہ انسانی

سماج ایک طریقہ پیداوار سے اس وقت تک جست نہیں لگاتا جب تک انسان خود اس میں عملی جدوجہد نہ کرے۔ اور مارکسزم اس عمل کے لئے علم بھی دیتا ہے اور طریقہ بھی بتلاتا ہے

عمل کی راہ بالکل صاف ہے۔ جیسا کہ مارکس نے بتلایا ہے۔ قوت کا مقابلہ قوت ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے حکمران طبقہ کو اس سماج میں بڑی سہولتیں اور آرام حاصل ہے اور وہ اس نظام کو بدلنے کی ہر طرح مخالفت کرتا ہے لیکن یہ جدوجہد حالات اور زمانہ کے لحاظ سے ہوگی۔ ۱۸۴۸ء اور ۱۸۷۱ء کے انقلاب کے تجربے سے مارکس نے چند نتیجے نکالے تھے اور بتلایا تھا کہ محنت کش اور سرمایہ داری کشمکش کس راہ پر آ جائے گی اور انقلاب کے بعد کس قسم کی حکومت قائم ہوگی۔ لیکن اصل مسئلہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ محنت کش طبقہ آخری لڑائی کے لئے کس طرح تیاری کرتا ہے۔

مارکس مسلسل اس مسئلہ پر کام کرتا رہا۔ صرف ذہنی طریقہ پر نہیں بلکہ محنت کشوں کی مختلف سبھائیں قائم کر کے اور ان میں عملی حصہ لے کر اس لئے کہ آئندہ جدوجہد کا دارومدار محنت کش طبقہ کی تنظیم پر تھا۔ مشہور و معروف کمیونسٹ مینی فیسٹو اصل میں کمیونسٹ لیگ کا اعلان نامہ تھا۔ مارکس اس ادارہ کا کئی سال تک عملی رکن رہا۔ "مزدوروں کی بین الاقوامی اسوسی ایشن" جسے پہلی انٹرنیشنل کا نام دیا گیا تھا اسی کی کوششوں سے قائم ہوئی تھی۔ مارکس نہ صرف برطانوی مزدور تحریک سے عملی طور پر واقف تھا بلکہ ساری دنیا کی مزدور تحریک سے اس کا ربط تھا۔

لیکن اس زمانہ میں مزدوروں کی بہت کم تعداد مزدور سبھاؤں اور امداد باہمی کی انجمنوں میں منظم تھی اور کسی ملک میں بھی مزدور طبقہ کی باقاعدہ سیاسی جماعت نہیں تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یورپ کے اکثر ملکوں میں مزدور طبقہ تو پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ انگلستان

کے سوا دوسرے ملکوں میں سرمایہ داری صنعت ابھی ابتدائی مدارج میں تھی اور اُبھرتا ہوا سرمایہ دار طبقہ جاگیرداری مطلق العنانی کے اقتدار کے خلاف لڑ رہا تھا۔ ہر ملک کی حالت کے لحاظ سے مزدوروں کی پارٹی کے کام کا تعین کرنا تھا۔ ۱۸۴۸ء کے انقلابات میں مارکس اور ان کے اشتراکی ساتھی فرانس کے حکمرانوں کی مطلق العنانی کے خلاف لڑتے رہے۔ انگلس جرمنی کی جمہوری فوج کے ساتھ شاہ پروشیا کے خلاف لڑائی میں حصہ لیتا رہا۔

کمیونسٹ مینی فیسٹو ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا جس میں محنت کشوں کے انقلاب اور اشتراکی نظام قائم کرنے کی ضرورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو مارکسزم میں بنے بنائے قاعدے اور قانون کی کھوج کیا کرتے تھے انہیں اس کے سمجھنے میں شاید دقت ہو کہ ایک طرف تو مارکس مزدور طبقہ کے انقلاب کی اہمیت بتلاتا ہے اور دوسری طرف ایسی جمہوری جدوجہد میں شریک ہوتا ہے جس کی رہبری سرمایہ دار اور سفید پوش درمیانی طبقہ کے لوگ کرتے ہیں اور اس جدوجہد کا مقصد اشتراکیت نہیں تھا بلکہ پارلیمنٹری جمہوریت۔

مارکس کے سامنے بات بالکل صاف تھی۔ انقلاب کے اس دور میں مزدور طبقہ ابھی اس قابل نہیں تھا کہ اپنا تاریخی فرض ادا کر سکتا۔ وہ درمیانی طبقہ کی جدوجہد میں امداد کر کے گویا اپنے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ جاگیرداری نظام کا خاتمہ جس قدر جلد ہوگا اسی قدر سرمایہ دار طبقہ زیادہ تیزی سے بڑھیگا صنعتیں بڑھیں گی اور مزدور طبقہ بڑھے گا ساتھ ہی جس قدر جلد جاگیرداری حکمرانوں کی حکومت ختم ہو گی اور جمہوری حکومت قائم ہوگی اسی قدر جلد مزدوروں کی تحریک بڑھے گی۔ شہری آزادی اور تقریر اور تحریر کی آزادی ملنے سے مزدور تحریک کو منظم کرنے میں بڑی آسانی ہو گی۔

مارکس کے زمانہ میں انگلستان ان ملکوں میں سے تھا جہاں پارلیمنٹ قائم ہو چکی

تھی۔ لیکن یہاں بھی مزدور طبقہ کا فوری مقصد مزدور انقلاب نہیں قرار پا سکتا تھا اس لئے کہ یہ طبقہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ برطانیہ میں اب تک مزدوروں کی کوئی سیاسی جماعت قائم نہیں تھی۔ کہیں چند سوشلسٹوں کے گروہ ضرور تھے مگر مزدور زیادہ تر اعتدال پسند پارٹی (لبرل پارٹی) کیساتھ تھے۔ اسلئے اس وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ مزدور طبقہ کی سیاسی جماعت قائم کی جائے جو مزدوروں کو اعتدال پسندوں کے چنگل سے چھڑائے۔ ان کے سامنے اشتراکی پروگرام پیش کرے اور صنعتی معاشرتی اور سیاسی میدان میں ان کی ہر جدوجہد کی تائید کرے۔

مارکس کا خیال تھا کہ اس وقت کا سب سے اہم اقدام یہ ہوگا کہ مزدور طبقہ کی ایک سیاسی جماعت قائم کی جائے تاکہ سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد کو منظم کیا جا سکے لیکن صرف سیاسی جماعت قائم کر لینا کافی نہیں تھا بلکہ اس کا نقطہ نظر بھی مارکسی ہونا ضروری تھا۔ اس پارٹی کے سامنے یہ بات صاف رہنی چاہئے کہ تاریخ میں طبقہ وارانہ جنگ میں مزدور طبقہ کا کیا حصہ رہا۔ اور ہر جدوجہد میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس کے ذریعہ اپنی منزل مقصود یعنی سوشلزم کے لئے کس طرح راستہ صاف کیا جائے۔

مارکس اور اینگلس کے زمانہ میں ایسی سیاسی جماعتیں بن چکی تھیں اور ان کی پالیسی بنانے میں دونوں نے غیر معمولی حصہ لیا تھا۔ لیکن سوائے پیرس کمیون کے (جس کی خود کوئی ایک مزدور جماعت رہبری نہیں کر رہی تھی) حالات نے اس کی اجازت نہیں دی کہ (سوائے کچھ تنظیمی کام کے) سرمایہ داری کے خلاف کوئی بڑی جدوجہد کی جاتی۔ صرف اس صدی میں کہیں جا کر جبکہ سرمایہ داری کا اجارہ داری اور سامراجی دور شروع ہوا، مزدور طبقہ کی کشمکش اور جدوجہد بڑھی اور سامراجی ملکوں کی باہمی رقابت کے ساتھ طبقہ داری کشمکش بھی تیز ہوئی۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آج مارکسزم بیکار یا پرانی ہو گئی ہے بلکہ سرمایہ داری نظام اپنے ارتقاء کی ایک نئی منزل میں پہنچ گیا ہے۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کے تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مزدور طبقہ کو چاہئے کہ وہ اپنی طبقہ داری کشمکش کے طریقوں کو اور ترقی دے اور جہاں مارکس اور انگلس نے چھوڑا تھا اس سے آگے بڑھائے۔ مارکس اور انگلس نے جو طریقے بتلائے تھے وہ ان کے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق تھے۔ اس کے بعد جو سرمایہ داری سماج میں ارتقا ہوا اور حالات بدل گئے تو نئے طریقے بھی اختیار کرنے پڑیں گے۔ سرمایہ داری نظام کے سامراجی دور اور انقلاب کے دور کا تجزیہ لینن نے کیا اور مارکسی اصول استعمال کر کے اس دور میں اس سماج کی خصوصیات اور مزدور طبقہ کی کشمکش کے متعلق تفصیل سے کام کیا۔

لینن نے اس دور کا جو تجزیہ کیا ہے اس کی تفصیلات تو یہاں نہیں دی جا سکتیں البتہ جنگ اور پارلیمنٹری جمہوریت کے متعلق اس کے خیالات دلچسپی سے خالی نہیں ہوں گے

یہ بات پہلے بھی بتلائی جا چکی ہے اور مارکس نے بھی اس پر بہت زور دیا ہے کہ جب جب حکمران طبقہ کا تختہ الٹتا ہے وہ اپنی اس جدوجہد میں دوسرے عوام اور دوسرے طبقوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔ جہاں کہیں سرمایہ دار طبقہ نے جاگیردار طبقہ کا تختہ الٹا ہے۔ وہاں کسانوں۔ درمیانی طبقہ کے لوگوں اور مزدوروں نے سرمایہ دار طبقہ کی پوری مدد کی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی ملک میں سرمایہ دار طبقہ کو الٹنے کا سوال آئے گا تو مزدور طبقہ کے ساتھ کون کون طبقے تعاون کریں گے؟

اس کے لئے کوئی اصول بنانا تو خود مارکسی اصولوں کے خلاف ہو گا۔ اس لئے

کہ یہ چیز ہر ملک کے اپنے حالات کے مطابق ہوگی۔ دنیا کی اور چیزوں کی طرح مزدور طبقہ بھی کچھ خلا میں نہیں رہتا بلکہ وہ بھی ایک حقیقی دنیا میں رہتا ہے جس میں مختلف قسم کے طبقات موجود ہیں اور پھر ہر ملک میں ان طبقات کا تناسب بھی الگ ہوتا ہے مثلاً زار شاہی روس کو لیجئے یہاں ایک بہت چھوٹا سا مزدور طبقہ تھا اور آبادی کا بہت بڑا حصہ کسانوں پر مشتمل تھا۔ ساتھ ہی دکانداروں، چھوٹے تاجروں اور علمی و ادبی کام کرنے والوں کا بھی چھوٹا سا طبقہ تھا یہ سب زار شاہی مطلق العنانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کسان طبقہ اور زمین چاہتا تھا اس لئے روسی مزدور پارٹی کا ایک بڑا حصہ جو بالشویک پارٹی کہلاتا تھا اور جس کے لیڈر لینن تھا اس کے لئے کسانوں اور ان طبقات سے اتحاد کرنا بہت آسان ہو گیا۔ بالشویک ان میں جنہیں کافی مالدار تھے اور اکثر بہت غریب ہوتے تھے اس کی وجہ سے زار شاہی کے خلاف اتحاد قائم ہوا۔ جس کی تحریک سے آخر کار مارچ ۱۹۱۷ء میں زار کا تختہ الٹ دیا۔ سرمایہ داروں کی ایک عارضی حکومت بنی اور اس کے ساتھ مزدوروں اور کسانوں کے تعلقات میں تبدیلی آئی۔ اب تک ان دونوں کا سب سے بڑا دشمن زار تھا اور اب وہ باقی نہیں رہا تھا۔ اب مزدوروں کا سب سے بڑا دشمن سرمایہ دار تھا جو اس کا راستہ روک رہا تھا اور یہی طبقہ حکومت پر قابض ہو گیا تھا۔ اور سارے کے سارے کسان سرمایہ داروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے بلکہ مالدار اور بڑے کسان جو پیشے یہاں مزدور رکھ کر کھیتی کرتے تھے تجارت اور سٹہ بازی کرتے تھے وہ اس عارضی حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے تھے اس لئے اس وقت مزدور طبقہ پورے کسان طبقہ سے اپنا ناتہ نہیں جوڑ سکتا تھا اس کا تعلق صرف غریب کسانوں اور کھیت مزدوروں ہی سے ہو سکتا تھا اور اسی اتحاد کا نتیجہ تھا کہ نومبر ۱۹۱۷ء کا انقلاب کامیاب ہوا لیکن اگر زار کے خلاف تمام

کسانوں اور مزدوروں کا اتحاد قائم نہ ہوتا تو مارچ ۱۹۱۷ء کا انقلاب نہ آتا اور یہ نہ ہوتا تو پھر نومبر ۱۹۱۷ء کا انقلاب بھی ممکن نہ ہو سکتا۔

یہ اصول تو ہر جگہ ایک ہی ہو گا کہ حکمران طبقہ کے خلاف انقلاب میں مزدور طبقہ کو دوسرے طبقوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ چیز ہر ملک کے حالات پر منحصر ہو گی کہ کون سا طبقہ کن خاص حالات میں مدد دے سکے گا۔ اس جدوجہد میں پہلے اس کا تعین کرنا ہو گا کہ اصلی دشمن کون ہے اور پھر یہ معلوم کرنا ہو گا کہ اس دشمن کے خلاف کون کون سے طبقے ہیں اور پھر اسکے بعد ایسی پالیسی اختیار کرنی ہو گی کہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اس دشمن کے خلاف متحد ہو سکے

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ انگلستان، امریکہ اور بعض دوسرے سرمایہ دار ممالک سامراجی دور میں سے گذر رہے ہیں اور اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ ساری معاشی قوت اور اس لئے سیاسی قوت ایک بہت ہی چھوٹے سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حکمران گروہ اور مزدور طبقہ میں کشمکش بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے بلکہ خود سرمایہ دار طبقہ کے اندر کشمکش شروع ہو جاتی ہے یہ تو ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ میں بھی بڑے چھوٹے اور بہت چھوٹے لوگ ہوتے ہیں اور اجارہ داری کی وجہ سے بڑے سرمایہ دار طبقہ اور چھوٹے سرمایہ داروں میں بڑی خلیج پیدا ہو جاتی ہے۔ مختلف ممالک کے بڑے سرمایہ داروں کے درمیان ہمیشہ کشمکش جاری رہتی ہے (کبھی لڑائی کبھی مقبوضات کی تقسیم۔ کبھی درآمدی محصول وغیرہ کی شکل میں) اور اس سے چھوٹے سرمایہ داروں کے مفاد خطرے میں آجاتے ہیں اور وہ اپنے کو ہمیشہ تباہی کے منہ پر کھڑا پاتے ہیں اور وہ اکثر اس خطرہ کو شدت سے محسوس کرنے لگتے ہیں۔

خاص حالات میں جب مالدار سرمایہ دار طبقہ فاشزم کی گود میں چلا جاتا ہے۔

اور علانیہ طور پر سارے ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی پر قبضہ کر لیتا ہے تو اس وقت چھوٹے سرمایہ داروں اور درمیانی طبقہ کا یہ احساس بڑھ جاتا ہے کہ ان کے اصل دشمن یہ بڑے سرمایہ دار ہیں۔

صرف یہ مثال دینے سے کہ جرمنی میں درمیانی طبقہ نے فاشسٹوں کا ساتھ دیا اس کا اس معاشی تجزیہ پر اور نتیجہ پر اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ جرمنی میں یہ طبقہ اپنے اصلی دشمنوں کو اس لئے نہیں پہچان سکا کہ فاشسٹوں کے پروپیگنڈہ اور یہودیوں کے خلاف سرگرمیوں نے فاشسٹوں کی اصلی شکل پر پردہ ڈالے رکھا اور دوسرے مزدور تحریک متحد نہ ہو سکی اور اس نے اس پورے مسئلہ کو صاف طور پر عوام کے سامنے نہیں رکھا۔ درمیانی طبقہ اور چھوٹا سرمایہ دار طبقہ صحیح حالات سے واقف نہ ہو سکا اور مزدور طبقہ کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکا جیسا کہ اس جنگ کے زمانہ میں سارے یورپ میں ہوا جنگ کے دوران میں سارے یورپ میں اندرونی اور بیرونی فاشسٹوں کے خلاف جو محاذ بنا اس میں مزدور طبقہ کے ساتھ درمیانی طبقہ کے لوگ بھی پوری طرح شریک رہے۔

اس سلسلہ میں ہم چین کی مثال بھی لے سکتے ہیں تاکہ ایک ایسے ملک کا بھی مارکسی تجزیہ کیا جا سکے جس کی حیثیت ایک سامراجی ملک کے مقبوضہ کی سی رہی ہے ۱۹۲۵ء میں مزدوروں نے کومنٹانگ (چینی قوم پرست زمینداروں اور سرمایہ داروں کی جماعت) کے تعاون سے غیر ملکی سامراجیوں کے خلاف ایک مہم کنٹن سے شروع کی اور سارے ملک کے عوام کو متحد اور منظم کرنا شروع کیا ۱۹۲۷ء میں کومنٹانگ نے چیانگ کائی شک کی رہبری میں اس اتحاد کو توڑ دیا غیر ملکی سامراجیوں سے سمجھوتہ کر لیا اور مزدور طبقہ کے خلاف جنگ قائم کر دیا۔ تقریباً دس سال تک چیانگ کائی شک سوئٹے، چیانگ کے علاقہ میں مزدوروں اور کسانوں کی جماعت (کمیونسٹ پارٹی)

کو ختم کرنے کی مہم چلاتا رہا کمیونسٹ پارٹی کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ وہ لڑتی رہتی۔ لیکن جب جاپانیوں نے چین پر حملہ کیا تو چینی کمیونسٹ پارٹی جو مزدوروں اور کسانوں کی رہبری کر رہی تھی اور جو چیزوں کو مارکسی نقطہ نظر سے دیکھتی ہے اس نے یہ محسوس کیا کہ اب حالات میں تبدیلی آگئی ہے۔ اب اصلی دشمن چینی زمیندار، سرمایہ دار یا برطانوی۔ انگریزی یا فرانسیسی سامراجی نہیں رہے تھے بلکہ مزدور طبقہ کو سب سے بڑا خطرہ جاپانی حملہ آوروں سے پیدا ہو گیا تھا اور اس خطرہ کے خلاف تمام طبقوں کو متحد کیا جا سکتا تھا اس پالیسی کا غیر معمولی نتیجہ نکلا۔ اگر مزدوروں کی یہ پارٹی مارکسی اصولوں پر نہ سوچتی تو وہ غالباً کومنٹانگ اور چیانگ کائی شک سے یہ کہہ کر سمجھوتہ نہ کرتی کہ وہ مزدور طبقہ کے مفاد کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔ لیکن یہاں حالت دوسری تھی وہ چین کو جاپانیوں سے آزاد کرانے کے لئے نہ صرف اپنا بلکہ مزدوروں کے مفاد کا بھی کام کر رہے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزدور طبقہ اور دوسرے طبقوں میں اسی وقت اتحاد ہو سکتا ہے جبکہ دونوں کے مفاد ایک ہو جائیں۔ یہی صورت ہندوستان کی ہے کانگریس اور لیگ پر سرمایہ داروں اور زمینداروں کا غلبہ ہے لیکن ان جماعتوں اور مزدور طبقہ کا مفاد اس وقت ایک اور سامراجی حکمرانی کو ختم کرنے میں ہے۔ اس لئے آج ہندوستان کے سرمایہ داروں، درمیانی طبقہ اور مزدوروں میں اتحاد ہو سکتا ہے اور یہی وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے

اکثر درمیانی طبقہ کی اصطلاح کے متعلق بڑی غلط فہمیاں رہتی ہیں اور اس کا استعمال اکثر غلط جگہوں پہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک مارکسسٹ کے پاس اس اصطلاح کے معنی بالکل صاف ہیں۔ اس کے نزدیک درمیانی طبقہ ایک معاشی گروہ ہے یہ ایک ایسا طبقہ ہے جو اپنی روزی کمانے کے لئے دوسرے مزدور نہیں لگاتا اور

نہ خود کسی سرمایہ دار کے لئے کام کر کے چیزیں بناتا ہے جس سے وہ نفع کما سکے۔ نہ وہ سرمایہ دار ہوتا ہے اور نہ مزدور۔ یہ آزاد لوگوں کا طبقہ ہوتا ہے جو اپنی روزی آپ کماتے ہیں ایک چھوٹا کسان جو اپنے کھیت پر خود آپ کام کر کے اپنی روزی پیدا کرتا ہے اس درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے یا اسی طرح چھوٹے دکاندار یا ایسے چھوٹے صناع جو دو چار آدمی اور لگا کر کوئی صنعتی کام کرتے ہیں۔ اس "درمیانی" گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ گروہ کبھی سرمایہ داروں کے قریب اور کبھی مزدوروں کے قریب نظر آتا ہے لیکن اس طبقہ کے مفادات بڑے سرمایہ دار طبقوں سے الگ رہتے ہیں۔

یہی صورت پیشہ ور درمیانی طبقہ مثلاً ڈاکٹروں۔ سائنسدانوں۔ ادیبوں اور دوسرے فن کاروں کی ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی سرمایہ دار نہیں ہیں وہ آزادانہ کام کرتے ہیں ان کے مفادات بھی بڑے سرمایہ دار گروہ سے الگ ہوتے ہیں۔

اس درمیانی طبقہ کے معاشی مفادات بڑی حد تک مزدور طبقہ سے مشترک ہوتے ہیں۔ پسماندہ علاقوں کے دکاندار وغیرہ اس کو بڑی جلدی محسوس کر لیتے ہیں جب سامراجیوں اور بڑے سرمایہ داروں کا شکنجہ پھیلنے لگتا ہے اور معاشی اور سیاسی بحران آتا ہے تو درمیانی طبقہ کو اپنے اصلی دشمن کا زیادہ شدید احساس ہوتا ہے۔ اور اس کی بنا پر سامراجیوں اور سرمایہ داروں کے خلاف درمیانی طبقہ اور مزدوروں کا اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ درمیانی طبقہ اشتراکی سماج کا اسی وقت حامی بن سکتا ہے جب کہ یہ پورا معاشی نظام تبدیل ہو جائے اور انہیں روزگار دوسرے طریقہ سے ملنے لگے۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ اصل دشمن کے خلاف جدوجہد میں مزدور طبقہ اور درمیانی طبقہ کا اتحاد بڑھتا جائے گا یہ طبقہ مارکسی نقطہ نظر کو سمجھنے لگے گا

اور اس طبقہ کے بہت سارے لوگ مارکسی جماعت میں آجائیں گے جس سے انقلاب اور اشتراکی سماج کی تنظیم میں بڑی مدد ملے گی۔

پارلیمنٹی جمہوریت اور مزدور طبقہ کی ڈکٹیٹرشپ کو بھی مارکسی لوگ چند مقررہ اصولوں کے سانچہ میں تول کر نہیں دیکھتے بلکہ اس پوری چیز کو جانچتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ طبقہ واری کشمکش کس منزل میں ہے۔

اس سے پہلے اس کا حوالہ آچکا ہے کہ مارکس ہمیشہ اس پہ زور دیتا تھا کہ مزدور طبقہ کو جمہوریت کے قیام اور جمہوری حقوق کے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرنی چاہئے لیکن پارلیمنٹی جمہوریت نہ ازل سے ہے اور نہ یہ ہمیشہ رہ سکتی ہے۔ یہ خاص حالات کی پیداوار ہے اور اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ ہر ملک میں ایسے دور میں آئی جبکہ ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کو مطلق العنان جاگیردار طبقہ کے خلاف جدوجہد کرنے کی ضرورت ہوئی بعض حالات میں یہ مزدور تحریک کے فروغ میں بھی مدد دیتی ہے۔ لیکن ہمیشہ نہیں۔ مثلاً روسی مارکسی ایک زمانہ سے روسی پارلیمنٹ کے قیام کی تائید اور کوشش کر رہے تھے لیکن جب ۱۹۰۵ء میں زار نے ڈوما (پارلیمنٹ) کے قیام کا اعلان کیا تو بالشویکوں نے اس کا بائیکاٹ کیا اس لئے کہ اس وقت انقلابی لہر تیزی سے ابھر رہی تھی۔ اور اگر اس وقت مزدور طبقہ اس کو قبول کر لیتا اور انتخاب کی سرگرمیوں میں پھنس جاتا تو سارے ملک کی عوامی تحریک پر اس کا بہت برا اثر پڑتا اور زار کے لئے بہت آسان ہو جاتا کہ اس انقلابی لہر کو قوت سے دبا دے۔ ایسے موقع پر پارلیمنٹ محنت کش طبقہ کی تحریک کی مدد نہیں کرتی بلکہ اس کا راستہ روکتی ہے۔

اس کے برعکس جب ۱۹۰۵ء کا روسی انقلاب ناکام ہو گیا تو اب مزدور طبقہ

نے پارلیمنٹ کی جانب توجہ کی تاکہ اس کی مدد سے اس تحریک کا پروپگنڈہ کیا جائے چنانچہ دوسری مرتبہ روسی مارکسسٹ پارلیمنٹ میں گئے اور وہاں سے مزدوروں کو آئندہ تحریک کے لئے منظم کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد مارچ ۱۹۱۷ء میں پھر جب زار تخت سے اتار دیا گیا اور پارلیمنٹ کے سرمایہ داروں پر مشتمل عارضی حکومت بنائی گئی تو بالشویک پارٹی نے اس کی تائید نہیں کی بلکہ اس کا مطالبہ کیا کہ تمام اقتدار پنچایتوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اس موقع پر بھی اگر مارکسسٹ اس پارلیمنٹی حکومت کی تائید کرتے تو پھر مزدوروں کی فتوحات کا راستہ رک جاتا۔ اور جب نومبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد پنچایتوں کو اقتدار مل گیا تو پھر ان کی مدد سے مزدور طبقہ نے عام لوگوں کو جمہوریت کا تحفہ دیا اور بڑے زمینداروں۔ سرمایہ داروں اور ان کے حامیوں پر ڈکٹیٹر شپ قائم کی۔

مارکسی ہر موقع پر اسی نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ کسی خاص زمانہ میں کسی خاص ملک میں پارلیمنٹ مزدور طبقہ کو (اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ پوری انسانیت کو) آگے بڑھانے میں مدد کرتی ہے یا ترقی کو روکتی ہے مثلاً ۱۹۱۸ء میں قیصر کے تخت سے اترنے کے بعد یہ مسئلہ آیا تھا اور اس وقت مارکسیوں نے یہ بتلایا تھا کہ تاریخ کے اس دور میں جبکہ مزدور طبقہ متحرک ہے آگے بڑھ رہا ہے اور پچھلا حکمران طبقہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ صرف پنچایتی حکومت ہی اس جدوجہد کو کامیابی کی طرف لے جا سکتی ہے ورنہ شاہی یا پارلیمنٹ کے پھر سے قائم کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ سرمایہ داروں کی حکومت دوبارہ قائم کر دی جائے اور مزدور طبقہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔ بدقسمتی سے اس وقت مزدور طبقہ پر سوشیل ڈیماکریٹ (سوشیلسٹ) پارٹی کا اثر مارکسسٹوں سے زیادہ تھا اور یہ وہی سوشیلسٹ

تھے جنہوں نے جنگ کے دوران میں قیصر کا سامنا دیا تھا۔ انہوں نے پارلیمنٹی حکومت کا نعرہ دیا اور بتلایا کہ ہر زمانہ میں صرف یہی طریقہ حکومت سب سے بہتر ہوتا ہے۔ اور انہیں اس میں کامیابی ہوئی اور جس کا نتیجہ آگے چل کر فاشزم کی شکل میں نہ صرف جرمنی بلکہ ساری دنیا کو بھگتنا پڑا۔

۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جبکہ ہر ملک کا حکمران طبقہ کمزور ہوگیا تھا اور ہر جگہ مزدور تحریک کی سرگرمیاں اور تنظیم بڑھ رہی تھی۔ مارکسیوں نے اس وقت یہ بات صاف طور پر واضح کی کہ ان ممالک میں پارلیمنٹیں بہت رجعت پسند پالیسی اختیار کر رہی ہیں اور اپنی ساری قوت مزدور تحریک کو کچلنے پر صرف کر رہی ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ مارکس کے پیرو پارلیمنٹ یا جمہوریت کے خلاف تھے بلکہ وہ اس ادھوری جمہوریت کی جگہ مکمل جمہوریت چاہتے تھے۔ وہ پنچایتی حکومت چاہتے تھے جس میں محنت کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کو اقتدار حاصل ہو لیکن بعد کے دور میں فاشزم کا زور بڑھنے لگا اور بڑا سرمایہ دار طبقہ ہر قسم کے جمہوری اداروں کو ختم کر کے علانیہ اپنی ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا تو مارکس کے پیروؤں نے پارلیمنٹی جمہوریت کی تائید میں مہم چلائی اس لئے کہ فاشزم کے مقابلہ میں یہ مزدور طبقہ کے مفاد کے زیادہ قریب تھی۔

جنگوں کے متعلق بھی مارکسی اسی طرح اپنے طرز عمل کا تعین کرتے ہیں۔ وہ جنگ کی موافقت یا مخالفت میں کوئی اٹل اصول نہیں بنا لیتے وہ جنگ کو بھی اس کسوٹی پر پرکھتے ہیں کہ یہ مزدور طبقہ کو آگے بڑھاتی ہے یا اس کی ترقی کو روکتی ہے؟ یا اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کیا اس جنگ کے یہ معنی ہیں کہ اس کی وجہ سے آئندہ جنگوں کا سلسلہ جاری رہے گا یا اس جنگ کا یہ مقصد ہے کہ اس نظام کا خاتمہ کر دیا جائے جس کی وجہ سے جنگیں ہوتی ہیں؟ یہ بات صاف ہے کہ طبقہ وار

لڑائی جس میں مزدور طبقہ اور اس کے ساتھی حکمران طبقہ کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں ایک ایسی لڑائی ہے جس سے ایک ایسے نظام کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے جنگ ہوتی ہے۔ یہ لڑائی انصاف کی لڑائی ہے اور اس میں قوت استعمال کرنا جائز ہے اس لئے کہ سرمایہ دار طبقہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے قوت استعمال کرتا ہے اسی طرح محکوم اقوام کی جنگ آزادی بھی انصاف کی لڑائی ہے اس لئے کہ اس سے حکمران طبقہ کمزور ہوتا ہے اور مزدور طبقہ کی قوت بڑھتی ہے۔

سامراجی جنگوں (مثلاً اٹلی کا ابی سینیا پر حملہ۔ جاپان کا چین پر حملہ وغیرہ) میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ یہ جنگیں انصاف کی جنگیں نہیں تھیں اور اٹلی اور جاپان کے مزدوروں اور راکسیوں نے اس جنگ کی مخالفت کی۔ گو کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس مخالفت کو موثر نہ بنا سکے۔ اگر مزدور طبقہ اس قسم کی جنگ میں حکمران طبقہ کی امداد کریگا اور مخالفت نہ کریگا تو حکمران طبقہ طاقت ور بن جائے گا اور اس کے نئے مصیبتیں بڑھ جائیں گی۔ اسی طرح اگر دو سامراجی ملکوں کے درمیان لڑائی ہو اور دونوں ملکوں کے مزدور اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے حکمران طبقہ کا تختہ الٹنے کی کوشش نہ کریں تو ان کی غلامی کی زنجیریں مضبوط ہوتی جائیں گی۔ مثلاً ۱۹۱۷ء کی جنگ میں روسی مزدوروں نے حکمران طبقہ کے خلاف بغاوت کر کے ہمیشہ کے لئے سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات حاصل کر لی اور انگلستان کے مزدور وہ طریقہ اختیار نہیں کر سکے۔ اور وہ آجتک سامراجی شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ چیز بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ہر وہ لڑائی جس میں کوئی سامراجی ملک شریک ہو لازمی نہیں کہ وہ سامراجی جنگ رہے۔ بلکہ اس جنگ کے پہلے جبکہ فاشسٹوں کا خطرہ ساری دنیا پر منڈلا رہا تھا۔ مزدور طبقہ خاموشی سے تماشا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر ۱۹۳۶ء میں جمہوریت غداری نہ کرتا اور جنگ سے ...

جرمنی کے حوالہ نہ کر دیا جاتا چیکوسلواکیہ جرمنی کی مزاحمت کرتا۔ فرانس اپنا وعدہ پورا کرتا اور اگر جرمنی چیکوسلواکیہ پر حملہ کرتا اور روس اور فرانس چیکوسلواکیہ کی مدد کرتے تو یہ لڑائی نہ صرف چیکوسلواکیہ کے لیئے انصاف اور آزادی کی لڑائی ہوتی بلکہ روس اور فرانس کے لیئے بھی۔ اس لیئے کہ اس جنگ میں نازشست جرمنی کی شکست کے معنی یہ ہوتے کہ جرمنی کا مزدور طبقہ آزاد ہو جاتا اور ساری دنیا کی مزدور تحریک کو بڑی تقویت ملتی۔

اس طرح ہم نے دیکھ لیا کہ خواہ اتحاد کا مسئلہ ہو یا پارلیمنٹری جمہوریت کا مسئلہ ہو یا جنگ کا مسئلہ ہر صورت میں مارکسی حقیقی حالات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ طبقہ داری قوتوں کے رشتہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور پھر راہ عمل متعین کرتے ہیں۔ کوئی نسخہ نہیں بنا لیا جاتا کہ بس ہر جگہ اسے استعمال کر لیا۔ ہر صورت میں دیکھا جاتا ہے کہ خاص حالات میں جو بھی اقدام کیا جائے وہ مزدور طبقہ کے مفاد کو آگے بڑھاتا ہے یا نہیں۔

مارکسی تمام نیچر کا مطالعہ اسی سائنٹیفک نقطہ نگاہ سے کرتے ہیں وہ لوگ جو انسان کو نیچر کا جز نہیں سمجھتے۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان نیچر سے الگ ہے اور اس پر چند ما فوق الفطرت قوانین کا اثر ہوتا ہے۔ زندگی کے حقائق سے ان کا تعلق نہیں ہوتا تو مارکسزم ایسے لوگوں کی سمجھ میں غالباً مشکل سے آئے گی۔

کائنات کی تمام چیزوں پر اطراف کے حالات کا اثر پڑتا ہے ہر چیز پر تپش موسم۔ ہوا کے دباؤ۔ اور دوسری بہت ساری چیزوں کا اثر پڑتا ہے اور نیچر کے قوانین کو بھی یہ سب چیزیں متاثر کرتی ہیں۔ انسانی سوسائٹی تو اس سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے طبعی حالات کے سوا اتنے بہت سارے انسانوں کے جسمانی اور ذہنی تعلقات بھی اس پر اثر ڈالتے ہیں۔ ایسی صورت میں کوئی ایسے قانون بنانا جو ہر زمانے اور ہر قسم کے

حالات کے لئے درست ثابت ہوں غیر سائنٹیفک بات ہے۔

انسانی سوسائٹی میں جب اسی قسم کے عقیدوں اور غیر سائنٹفک نقطۂ نظر سے کام لیا جاتا ہے تو ہمیشہ تباہی کا منہ دیکھنا ہوتا ہے۔ مارکسزم نے انسان کو توہم پرستی اور فرسودہ عقیدوں سے نجات دلائی۔ یہ عقیدے ایک خاص زمانہ کی طبقہ واری زندگی کا عکس ہوتے ہیں اور آج کے حالات میں جبکہ اس زندگی کی نوعیت بدل چکی ہے یہ عقیدے بھی بیکار ہو چکے ہیں۔ بلکہ ترقی کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔ مارکسزم ساری کائنات کا تجزیہ کر کے نہ صرف حال کی مکمل اور صحیح تصویر پیش کرتی ہے بلکہ مستقبل کی راہ عمل بھی بتلاتی ہے۔

پرنٹر و پبلشر: اشرف اطہر علی۔ قومی دارالاشاعت
راج بھون۔ سینڈھرسٹ روڈ۔ بمبئی ۴
گیلانی پریس ہسپتال روڈ لاہور